سہ ماہی — نئی دہلی

خبرنامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جلد نمبر:۶ — اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء — شمارہ نمبر:۱

ایڈیٹر

(مولانا) سید نظام الدین

خط و کتابت کا پتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

76A /1، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Tel:. 011-26322991, Telefax:. 011-26314784

E-mail:aimplboard@gmail.com

ایڈیٹر پرنٹر و پبلیشر سید نظام الدین نے اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس دریا گنج نئی دہلی-۲ سے چھپوا کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ 76A /1، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	پیغام	(حضرت) مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۳
۲	اداریہ	(حضرت) مولانا سید نظام الدین	۵
۳	وقف کے قانون کا اثر دار ہونا ضروری ہے!	(حضرت) مولانا محمد ولی رحمانی	۷
۴	وقف بل پر پروفیسر سیف الدین سوز کمیٹی کی رپورٹ غیر اطمینان بخش	محمد عبدالرحیم قریشی	۱۰
۵	بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کا حق	(حضرت) مولانا محمد ولی رحمانی	۱۲
۶	آر-ٹی-ای-مسلمانوں کے لئے امرت یا زہر......؟	الحاج جمیل منظر	۱۸
۷	اور اب ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ	(حضرت) مولانا محمد ولی رحمانی	۲۰
۸	کم عمری کی شادی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۳
۹	کارروائی اجلاس مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ	مولانا رضوان احمد ندوی	۲۵
۱۰	مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں (مختصر رپورٹ)	وقار الدین لطیفی	۳۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغام

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

ألحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علیٰ سید الأنبیاء والمرسلین، وعلیٰ الہ وصحبہ أجمعین، أمابعد.

انسانی معاشرہ دراصل آپس کے تعارف وتعلقات سے بنتا ہے، ایک دوسرے کے مابین تعارف وواقفیت ایک دوسرے کی خوبیاں معلوم ہونے پر آپس میں محبت ووابستگی پیدا کرتی ہے اور کمزوریوں اور غلط روی کو دیکھ کر ایک دوسرے سے دوری کا سبب بنتی ہے، اور خیر خواہ صفت اشخاص غلط روی کا علم ہونے پر اس کے ازالہ کی کوشش بھی کرتے ہیں، لہٰذا اچھا انسانی معاشرہ بنانے کے لیے ایک دوسرے کی اچھائیوں کو جاننا باعث استفادہ ہوتا ہے اور خیر کے پھیلنے کا ذریعہ بنتا ہے، ہمارا ملک ہندوستان مختلف مذاہب اور مختلف قومیتوں کے لوگوں پر مشتمل ہے، یہاں کے باشندوں کے درمیان آپس کا تعارف اور واقفیت بہت اہم کردار انجام دے سکتی ہے، افسوس ہے کہ اس کی طرف ملک کے رہبروں کی توجہ کم ہو رہی ہے، اسی لیے جو بات عام طور پر نظر آتی ہے کہ آپسی خیر خواہی اور رواداری میں کمی ہوتی جا رہی ہے، مزید یہ کہ ایک دوسرے کی خوبیوں کو جاننے اور اسی کے مطابق معاملہ کرنے میں بھی کوتاہی بڑھ رہی ہے، ہندوؤں نے مسلمانوں کے مذہب اور جذبات کو ٹھیک سے نہیں جانا، اور مسلمانوں کو ہندوؤں کی خصوصیات سے واقفیت پوری طرح نہیں ہوئی، اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو یہاں پر کئی صدیاں گذر جانے کے باوجود بہت سے ہندوؤں کی نظر میں برا سمجھا جاتا ہے، اس میں ہم مسلمانوں کی خاصی بے توجہی کا دخل ہے، ہم نے اپنے مذہب اور قومی جذبات کا پورا تعارف ان سے کرانے میں کوتاہی کی، اور اپنے مذہب کو جو پوری انسانیت کے لیے بڑے امن اور خیر پسندی کا مذہب ہے، اور وہ پروردگار عالم کی طرف سے انسانوں کی باعزت اور امن پرور زندگی کی رعایت رکھتے ہوئے مقرر فرمایا گیا ہے، ان کو واضح نہیں کیا ہے، اور چونکہ ہمارا مذہب وشریعت رب العالمین کی طرف سے مقرر کردہ ہے، اس لیے مسلمانوں کے لیے اس پر عمل کرنا ضروری ہے، یہ بات خاص طور پر ان کے علم میں لانے کی ہے۔

ہم مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ اسلام کا ایسا تعارف کراتے کہ اس کی صاف ستھری شکل سامنے آجاتی، دوسری قوموں کے افراد کے ساتھ ہم لوگ زندگی گذارتے ہیں، لیکن وہ ہمارے انسانیت نواز جذبات سے پوری طرح واقف نہیں ہو پائے، اور ہماری شریعت کی خوبی اور اہمیت بھی ان کے سامنے نہیں آئی، اس کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی شریعت پر پوری طرح عمل کرنے میں وقتاً فوقتاً مسائل پیدا ہونے لگتے ہیں، اور مسلمان قائدین کو دستور کے حوالہ سے کوشش کرنا ہوتی ہے، اور کبھی کبھی کورٹ سے بھی رجوع کرنا ہوتا ہے، اسی لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے تفہیم شریعت کا شعبہ قائم کیا ہے، اس کے تحت کام کو اگر پوری توجہ کے ساتھ انجام دیا جائے تو بہت سے مسائل حل ہوں گے، اور ہمارے قائدین کو بار بار حکومت سے رجوع کرنے کی نوبت نہیں آئے گی، الحمد للہ بورڈ نے یہ ایک اچھے کام کا آغاز کیا ہے، تفہیم شریعت جو کہ قانون دانوں اور حکمراں

جماعت کے نمائندوں کے ساتھ مل بیٹھ کر مسائل سمجھائے جاتے ہیں، اور بسا اوقات ذمہ داران حکومت سے بھی رجوع کرنا ہوتا ہے اور بورڈ کی تحریک دراصل اسی موقف سے شروع ہوئی تھی، اور بورڈ الحمدللہ مناسب طریقہ سے آگے بڑھ رہا ہے۔

تحریک بورڈ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ سیاسی اور اختلافی معاملات سے اپنے کو بچاتے ہوئے کام کرے، اس میں زیادہ بہتر انداز میں کام انجام پاتا ہے، ملک میں دوسری متعدد تحریکیں مختلف معاملات ومسائل کے لیے کام کر رہی ہیں، جن سے امت کو فائدہ پہونچ رہا ہے، لیکن بورڈ نے اپنے کام کو دراصل اس ملک کے مسلمانوں کے مذہبی فرائض کو رکاوٹ یا تغیر سے بچانے کے مقصد کے دائرہ میں رکھا ہے، اس کو اس کی ضرورت اس لیے پڑی کہ ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں کثرت آراء اور آزادی رائے کو بنیاد بنا کر نظام قائم کیا گیا ہے، مذہب کو اس سے باہر رکھا گیا ہے، لیکن اپنے اپنے طور پر اس کی اجازت ہے، مسلمانوں کا مذہب ایک ایسا مذہب ہے، جو آسمانی ہونے کی بناء پر رب العالمین کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، اور اس پر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔

جمہوری نظام میں عوام جس بات پر متفق ہو جائیں اس کو مان لیا جاتا ہے، لیکن مسلمانوں کے مذہب میں ان کے مذہبی پیشوا بھی کسی طرح کی ترمیم وتغییر نہیں کر سکتے، اس لیے کہ یہ قانون الٰہی ان کا تجویز کردہ نہیں، اس لیے ملک کا نظام جمہوری ہونے کی وجہ سے جب کوئی قانون بنتا ہے، تو اس میں جمہور کی رائے کو بنیاد بنایا جاتا ہے، جو مسلمانوں کے کسی حکم یا قاعدے کے خلاف بھی ہو سکتا ہے، اور بسا اوقات مسلمانوں کے کسی مذہبی عمل سے براہ راست ٹکراتا ہے، اور مسلمانوں کو اپنی شریعت پر عمل کرنے میں رکاوٹ کا باعث ہو جاتا ہے، ہندوستان کو آزادی ملنے پر ہندوستانی دستور بنانے والوں نے دستور میں ایسی دفعات رکھی ہیں، جس سے ہر مذہب والوں کو اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے میں رکاوٹ نہ پڑے، لیکن بعض وقت مسلمانوں کے مذہبی احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے ایسے قوانین بننے لگتے ہیں کہ جن سے مسلمانوں کا وہ دستوری حق ٹوٹتا ہے، اسی صورتحال سے بچانے کے لیے مسلمانوں کی طرف سے مسلم پرسنل لا کا یہ نمائندہ بورڈ تشکیل دیا گیا، جو ایسے موقعوں پر پیش آنے والی دشواریوں کو دیکھتا رہے، اور ان دشواریوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا رہے، یہ کام سیاسی انداز کا یا زور زبردستی کا کام نہیں، دستوری اور جمہوری اصولوں کے مطابق عدالت یا قانون ساز ادارے کے ساتھ افہام وتفہیم کر کے یا رائے عامہ استوار کر کے اس کے ذریعہ اخلاقی وجمہوری دباؤ ڈال کر معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی جاتی ہے، جس کو الحمدللہ ہمارا آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بخوبی انجام دے رہا ہے۔

گذشتہ چالیس سالہ مدت میں اس سلسلہ کے کئی معاملات میں بورڈ نے اپنی کارکردگی کا اچھا ثبوت دیا ہے، اور اس وقت بھی مرکزی حکومت نے کئی ایکٹ ایسے بنائے ہیں جو ہمارے دستور کے دیئے ہوئے ہمارے مذہبی حق سے بعض پہلوؤں میں ٹکراتے ہیں، انہیں ایکٹ میں سے حق تعلیم کا ایکٹ اور وقف ایکٹ اور ٹیکس کے قانون کا ایکٹ ہے، جس کے حل کے لیے بورڈ کے ذمہ داران کوشاں ہیں، اور وہ حسب معمول دستوری وجمہوری طریقہ کار کے مطابق ہی اس کام میں آگے بڑھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس معاملہ میں مسلمانان ہند کے لیے بہترین راستہ کھولے گا۔

۞۞۞

اداریہ

شذرات

سید نظام الدین
جنرل سکریٹری بورڈ

دنیا میں آج جو نظامِ حکومت سب سے زیادہ مقبول ومروج ہے، وہ سیکولرزم پر مبنی جمہوریت ہے؛ لیکن مختلف ملکوں میں سیکولرزم کا الگ الگ مفہوم مقرر کیا گیا ہے، بعض ایسے ممالک بھی ہیں، جہاں سیکولرزم کے معنی لا دینیت اور لا مذہبیت کے ہیں، یعنی مذہب کو انسان کی زندگی میں دخیل ہونے کا کوئی حق نہیں، مذہبی علامتیں اور مذہبی شناختیں نا قابل قبول ہیں، ہندوستان نے بھی اپنے لئے سیکولرزم کا انتخاب کیا ہے، یہاں سیکولرزم سے مراد یہ ہے کہ حکومت کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہوگا؛ لیکن ملک کی عوام کو مذہب کے مطابق عمل کرنے اور زندگی گذارنے کی آزادی حاصل ہوگی؛ چنانچہ دستور ہند میں اقلیتوں کے لئے مذہب پر عقیدہ رکھنے، مذہب پر عمل کرنے اور مذہب کی تبلیغ کرنے کو بنیادی حق تسلیم کیا گیا ہے۔

مگر ایک افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ ہمارا ملک بتدریج اس سیکولرزم کی طرف بڑھ رہا ہے، جو مغربی تصور کے مطابق ہے اور جو مذہب کو زندگی سے بے دخل کرنا چاہتا ہے؛ چنانچہ بتدریج مذہبی اداروں کو کمزور کرنے، مذہبی تعلیمی نظام کو متأثر کرنے، مذاہب کی مشترکہ قدروں کے خلاف قانون بنانے اور مذہب کو زندگی سے بے دخل کئے جانے کی کوششیں جاری ہیں، اس سلسلہ میں اس وقت تین قوانین کا ذکر کرنا مناسب ہوگا: رائٹ ٹو ایجوکیشن، قانون وقف اور ڈائریکٹ ٹیکس کوڈ۔

'رائٹ ٹو ایجوکیشن ایکٹ' یعنی مفت لازمی تعلیم حاصل کرنے کا حق اگرچہ بنیادی مقصد کے اعتبار سے ایک بہتر قدم ہے کہ ملک کا کوئی بچہ تعلیم سے محروم نہ رہنے پائے؛ لیکن اپنی تفصیلات کے اعتبار سے بہت سی خرابیوں پر مشتمل ہے، اس قانون میں تعلیم اور تعلیم گاہ کی تعریف کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ مذہبی تعلیم اور مذہبی تعلیمی ادارہ اس کے دائرے میں نہیں آتے، دوسری طرف یہ قانون ان سرپرستوں کو مجرم ٹھہراتا ہے، جو اپنے بچوں کو اس قانون کے مطابق تعلیم نہ دلائیں اور اسکول میں داخل نہ کریں، نیز ایسے اداروں اور ان کے ذمہ دار کو بھی مجرم قرار دیتا ہے، جو بچوں کو مطلوبہ تعلیم سے محروم رکھیں، پس اس تعریف کے مطابق مذہبی تعلیم کے ادارے نہ قائم کئے جاسکیں گے اور نہ باقی رہ پائیں گے؛ بلکہ اداروں کے ذمہ دار اور ان اداروں میں تعلیم دلانے والے سرپرست مجرم قرار پائیں گے۔

اس کے علاوہ یہ قانون پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں حکومت کی مداخلت کا راستہ کھولتا ہے، اور انہیں ۲۵ رفیصد دوسرے بچوں کو تعلیم دینے پر مجبور کرتا ہے، پھر ان اسکولوں میں بارہویں کلاس تک امتحان دینے کی نوبت نہیں آئے گی اور بچوں کے اندر صلاحیت ہو یا نہ ہو انہیں عمر کے لحاظ سے داخلہ دینا پڑے گا، اس سے تعلیم کا معیار متأثر ہوگا اور باصلاحیت افراد کی پیدائش کم ہوجائے گی، اس قانون میں بعض ایسی باتیں بھی شامل ہیں، جن کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ ہمارے ملک کی اخلاقی قدریں متأثر ہوں گی اور مغرب کی نوجوان نسل میں جو اخلاقی بحران ہے، بتدریج وہ ہمارے سماج کا بھی حصہ بن جائے گا، اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' نے حکومت سے اس قانون میں تبدیلی کا مطالبہ کیا ہے اور اس کے لئے متعدد بار حکومت سے نمائندگی بھی کی ہے، ذمہ داروں کی طرف سے بعض مثبت بیانات بھی آئے ہیں؛ لیکن جب تک پارلیمنٹ میں ترمیمات پیش نہ کی جائیں، اس وقت تک اطمینان نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرا قابل توجہ مسئلہ 'وقف قانون' کا ہے، ہندوستان میں مسلم اوقاف اتنی کثیر مقدار میں ہیں کہ اگر ان سے ناجائز قبضہ برخواست کرادیا جائے اور اس کی آمدنی مسلمانوں کی تعلیم پر اور معاشی پسماندگی کو دور کرنے پر خرچ کی جائے تو شاید ہندوستان میں کوئی مسلمان بچہ تعلیم سے محروم نہ رہے اور نہ کسی کو بھوکوں مرنے کی نوبت آئے ؛ لیکن عملاً صورت حال یہ ہے کہ اوقاف کے ایک بڑے حصہ پر حکومت کا اور بہت سی جائیدادوں پر عوام کا ناجائز قبضہ ہے، مسلم پرسنل لا بورڈ کا شروع سے مطالبہ رہا ہے کہ وقف بورڈ کو با اختیار بنایا جائے، اسے مسلمانوں کا نمائندہ رکھا جائے، وقف کے ثبوت کے لئے رجسٹریشن کو لازمی نہ سمجھا جائے ؛ کیوں کہ بہت سے اوقاف وہ ہیں جنہیں رجسٹرڈ نہیں کرایا جاتا ہے ؛ بلکہ وقف کے طور پر استعمال ہوتے رہنے کو ثبوتِ وقف کے لئے کافی سمجھا جائے، وقف کی جائیداد کو عوامی املاک کا درجہ دیا جائے، مذہبی مقامات کو ایکوزیشن کے دائرہ سے باہر رکھا جائے، مگر افسوس کہ بار بار کی توجہ دہانی کے باوجود حکومت ان مطالبات سے مسلسل پہلو تہی کرتی رہی ہے۔

ابھی ماضی قریب میں حکومت نے نیا وقف بل پارلیمنٹ میں پیش کیا ہے، جس میں نہ صرف قانونِ وقف کی سابقہ خرابیاں موجود ہیں ؛ بلکہ یہ پہلے قانون سے بھی زیادہ مفاسد پر مشتمل ہے، اس بل کو جمعہ کے دن دوپہر میں نہایت عجلت کے ساتھ پارلیمنٹ میں پیش کر کے پاس کرادیا گیا ؛ اس لئے بجا طور پر لوگوں کا تأثر ہے کہ حکومت نے ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت ایسا کیا ہے، اور وہ مسلمانوں کے جائز مطالبات کو روبہ عمل لانا نہیں چاہتی۔

اس وقت ایک نیا قانون 'ڈائریکٹ ٹیکس کوڈ' کے نام سے بھی زیر تجویز ہے، اس قانون کے مطابق ان مذہبی اور چیریٹیبل اداروں کے آمدنی پر بھی ٹیکس عائد ہوگا، جو کسی ایک مذہب کے لوگوں کے لئے مخصوص ہوں، ان کا شمار 'نان پرافٹ آرگنائزیشن' میں نہیں ہوگا، گویا مسجدوں، درگاہوں، مدرسوں اور دوسرے مذہبی اداروں کو بھی ٹیکس ادا کرنا پڑے گا، یہ بات یقیناً نہ صرف مسلمانوں کے لئے ناقابل قبول ہے ؛ بلکہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے لئے بھی، انسان مذہبی اداروں کے لئے جو تعاون دیتا ہے، اس کا مقصد ہے اجر و ثواب کا حاصل کرنا، اگر گورنمنٹ اس میں سے ٹیکس وصول کرتی ہے تو یہ عطیہ دہندگان کو ان کی شخصی آزادی سے محروم کرنے اور ان پر اپنی مرضی مسلط کرنے کے مترادف ہے۔

غرض کہ یہ تینوں پاس شدہ یا مجوزہ قوانین نہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہیں اور نہ دوسرے محبّ وطن شہری اسے پسند کریں گے، مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس سلسلہ میں ملک گیر سطح پر تحریک چلانے کا فیصلہ کیا ہے اور بورڈ کے سکریٹری حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کو اس کا کنوینر نامزد کیا گیا ہے، اس تحریک کے تحت پورے ملک میں عوامی شعور بیدار کرنے کے لئے جلسے کئے جائیں گے، لٹریچر شائع کئے جائیں گے اور ملک کے کونہ کونہ سے حکومت تک صدائے احتجاج پہونچانے کی کوشش کی جائے گی ؛ کیوں کہ ایک جمہوری نظام میں اپنے جائز حقوق کو حاصل کرنے کے وسائل یہی ہیں، برادرانِ اسلام سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ پوری قوت کے ساتھ اس تحریک میں شامل ہوں اور اسے کامیابی کی منزل تک پہونچائیں۔

بورڈ کی سب سے بڑی طاقت مسلمانوں کا اتحاد اور ان کی طرف سے بورڈ کے موقف کی تائید و تقویت ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد اور ملت اسلامیہ کی تائید و تقویت اگر بورڈ کے شامل حال رہے تو امت کے مسائل کو حل کرنا، ملی مفادات کا تحفظ کرنا اور شریعت اسلامی کو مداخلت سے محفوظ رکھنا چنداں دشوار نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد فرمائے اور ہم سب اس ملک میں اپنے دینی اقدار اور ملی تشخصات کے ساتھ امن و آشتی کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں۔

۞۞۞

وقف کے قانون کا اثر دار ہونا ضروری ہے!

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی (سکریٹری بورڈ، مونگیر)

اوقاف کی جائدادوں کی شکل میں ملت اسلامیہ کا قیمتی اجتماعی سرمایہ پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے، اگر ان جائدادوں سے بھرپور اور صحیح مصرف لیا جائے، تو نہ صرف مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی حالت بدل جائے گی، بلکہ پورے ملک کی تصویر پر اس کا گہرا اثر ہوگا، اس لیے مسلمانان ہند کے مذہبی اور سماجی نمائندوں نے ایسے نئے وقف ایکٹ کا برابر مطالبہ کیا ہے، جو مضبوط، اثر دار ہو، وقف کی جائداد سے غلط اور ناجائز قبضوں کو ہٹانے کی طاقت رکھنے والا ہو، اور وقف کی ترقی کا ذریعہ بن سکے، وقف کی جائدادوں سے ملت اسلامیہ کی صلاح وفلاح کا راستہ بن سکے، اور بہت سے رکے پڑے اجتماعی کام انجام دیئے جاسکیں۔

صورتحال یہ ہے کہ وقف کی جائدادوں پر ناجائز قبضے ہیں، ان جائدادوں کو وقف بورڈ نے بیچا جو غلط ہے یا لانبی مدت کے لیے لیز پر لگادیا، جو قانون کے دائرہ سے باہر کی چیز ہے، یا کچھ مہینوں کے لیے ٹھہرنے اور کام کرنے کی اجازت دی گئی، اب لوگ ان پر برسوں سے قابض ہیں، انہیں خالی کرانے کی ساری ترکیبیں ناکامی تک پہونچتی ہیں، اور وہ ناجائز قبضہ والے وقف جائدادوں پر جمے بیٹھے ہیں، انہیں خالی کرانے کے لیے طویل قانونی جنگ کرنا پڑتی ہے، اور اکثر حالات میں نتیجہ ناکامی کی شکل میں ہاتھ آتا ہے، صورتحال عام طور پر یہ ہے کہ جن جگہوں کا کرایہ کئی ہزار روپئے ہونا چاہئے، وہاں دس، بیس، سو پچاس کرایہ ہے، اور کرایہ داری کے جو قوانین ہیں ان کے پیش نظر قانوناً بھی کرایہ داروں کو ہٹانا بیحد مشکل ہے۔

صوبائی وقف بورڈوں کا نظم اتنا کمزور ہے، کہ وہاں عام طور پر اوقاف کی حفاظت اور ترقی کے لیے پروگرام بنانا تو دور کی بات ہے، دفتر کو کارگذار بنائے رکھنا، ریکارڈ کو محفوظ رکھنا، اسٹاف کو تنخواہ دینا بھی وقت پر نہیں ہوتا، ایسی حالت میں ''کوئی اقدام'' اور وقف بورڈ سے کسی بہتری کی توقع نہیں کی جاسکتی—— پھر وقف بورڈوں کی تشکیل کا قانون کچھ ایسا ہے، کہ وہ ارباب اقتدار اور حکمراں جماعت کا نمائندہ بورڈ کا ممبر اور چیرمین ہوجاتا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وقف بورڈ صوبائی حکومت کے رحم وکرم پر رہتا ہے، اور حکومتیں بوقت ضرورت اور زائد از ضرورت اس کا استعمال کرتی ہیں، مثلاً چند برسوں قبل دہلی شہر میں دس ایکڑ زمین دہلی وقف بورڈ نے حکومت کے حوالہ کردیا اور اس پر ملینیم پارک بن گیا، اور عمارت بھی حکومت نے اس پر تعمیر کرادی، جو بودھ تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے۔

وقف ایکٹ کو اتنا مستحکم تو ہونا ہی چاہئے کہ وہ کم از کم خود اپنی حفاظت کرسکے، مگر جو ایکٹ ابھی ہے، اور جو آنیوالا ہے وہ کچھ ایسا ہے کہ وقف بورڈ متعلق صوبہ کے وزیراعلی کے رحم وکرم پر تشکیل پاتا ہے، اور جب وزیراعلیٰ صاحب تھوڑا سا بھی ناراض ہوتے ہیں، تو وقف بورڈ توڑ دیا جاتا ہے، (سپرسیڈ کرنے کے واقعات بہت عام ہیں) اور بورڈ کے سارے اختیارات کسی اسپیشل افسر کے حوالہ کردیئے جاتے ہیں، جو لخت جگر جانِ پدر قسم کے ہوتے ہیں، پھر وقف بورڈ اور وقف کی جائدادوں کے ساتھ وہ ہوتا ہے، جو کبھی نہیں ہونا چاہئے، صورتحال یہ ہے کہ بعض صوبوں میں وقف بورڈ کو برسوں برس تک ایک سال بھی چلنے نہیں دیا گیا، اور وقف بورڈ کی تشکیل ہوتی رہی اور اسے توڑنے اور سپرسیڈ کرنیکا سلسلہ جاری رہا۔

حکومت نے وقف بورڈوں کے ذریعہ وقف کے انتظام اور اہتمام کو اپنے قابو میں کرلیا، اور پھر اوقاف سیاسی اداروں کی مرضی کی تکمیل کا ذریعہ بنتے رہے، ابھی تک اوقاف کا سروے اکثر وبیشتر صوبہ میں نہیں ہوا ہے، نامکمل اندراج نے سنگین مسائل پیدا کیے ہیں—— موجودہ وقف ترمیمی بل جو راجیہ سبھا میں زیرغور ہے، میں اسی وقف اندراج کے لیے وقف رجسٹریشن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور قانون کے لفظوں کا رخ یہ ہے، جو وقف رجسٹرڈ (درج شدہ) نہیں ہوں گے، انہیں عدالت میں اپنے دفاع یا چارہ جوئی کا حق نہیں ہوگا، یعنی صرف وہی وقف عدالتوں کی نظروں میں وقف ہوں گے جو وقف

بورڈ کے رجسٹر میں درج (رجسٹرڈ) ہوں، اگر کوئی سودوسوسال پرانی مسجد ہے، وہ وقف بورڈ میں درج نہیں ہے، تو اس مسجد کی عدالت کی نظر میں کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے، اگر کسی نے اس کو توڑ ڈالا تو اس نے ایک سامو ہک بھون (اجتماعی عمارت) کو توڑا ہے، اللہ کے گھر کو نہیں!

ہمارے صوبائی وقف بورڈ آزادی کی نصف صدی گذرنے کے بعد بھی اوقاف کو درج کرنے کا کام پورا نہ کر سکے، مرکزی حکومت کی حوصلہ افزائی اور مدد کے باوجود دفتر کو کمپیوٹرائزڈ نہیں کر سکے، ان سے یہ توقع کرنا کہ وہ رجسٹریشن کا کام دو تین سال میں کرلیں گے —— آرزو ہو سکتی ہے عملاً ایسا ہونیوالا نہیں ہے، اس لیے مسلم پرسنل لا بورڈ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ رجسٹریشن کا کام ہو اور جاری رہے، جب جس وقف کی خبر ملے تحقیق کے بعد اسے رجسٹرڈ کرلیا جائے، جو جائداد وقف ہوگئی، وہ بہر حال وقف ہے، وقف رہے گی، چاہے حکومت کے ریکارڈ میں اسے وقف بتایا گیا ہو یا نہیں —— نیا وقف ایکٹ (زیر غور) یہ بتاتا ہے کہ وقف بورڈ کے رجسٹریشن کے بعد بھی اگر حکومت کے ریکارڈ میں وہ جائداد وقف نہیں ہے، تو قانوناً ریونیو ریکارڈ کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

اسی طرح جو وقف کی جائداد وقف بورڈ میں رجسٹرڈ نہیں ہے، وہ بھی وقف ہے، اور اس کا استعمال اس کے وقف ہونے کی تائید کرتا ہے، سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں استعمال کے ذریعہ وقف ہونے کو مانا ہے، جس کے لیے Waqf by use کا لفظ فیصلہ میں لکھا ہوا ہے، اسی طرح سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ بھی ہے کہ ایک بار جو چیز وقف ہوگئی وہ ہمیشہ وقف ہی رہے گی —— ایسی حالت میں وقف کے ثبوت کے لیے رجسٹریشن کی شرط لگانا (جیسا کہ نئے زیر غور وقف ایکٹ کے مسودہ میں ہے) نہ شرعاً درست ہے، اور نہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کے مطابق ہے، اس لیے یہ مسودہ قانون وقف کے معاملات کو الجھانے والا ہے، اس سے گتھیاں سلجھیں گی نہیں —— مسلم پرسنل لا بورڈ کی رائے ہے کہ ایکٹ پر غور کرتے وقت سپریم کورٹ کے فیصلہ کو بھی سامنے رکھنا چاہئے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ بھی ماننا ہے کہ اگر کوئی وقف رجسٹرڈ (اندراج) نہ ہوسکا، تو یہ وقف کرنیوالے یا اس کے منتظم اور وقف بورڈ کے افسروں اور اسٹاف کی غلطی ہوسکتی ہے، اس لیے انہیں سزا دینی چاہئے، وقف کی اصل حیثیت کو ختم یا کم کرکے اس سے فائدہ اٹھانیوالوں کو سزا دینا صحیح نہیں ہے! اور موجودہ زیر غور ایکٹ فائدہ اٹھانیوالوں کو سزا دینا چاہتا ہے، جبکہ قصور ان کا نہیں دوسروں کا ہے۔

زیر غور وقف ایکٹ میں اسی طرح کی کئی بنیادی خامیاں ہیں، جن میں تبدیلی ضروری ہے، اسی مقصد کے پیش نظر بورڈ نے کوشش کی اور یہ زیر غور قانون پارلیمنٹ کی سلیکٹ کمیٹی کے حوالہ کیا گیا جہاں وہ سولہ مہینوں سے زیر غور ہے —— موجودہ زیر غور قانون میں اور بورڈ کے نقطۂ نظر میں جو بنیادی فرق ہے، اس کی تفصیل یہ ہے:

زیر غور وقف بل ۲۰۱۰ء میں کہا گیا:

۱	وقف کی جائداد کے خالی کرانے کے لئے پبلک پریمیسیز ایکٹ نافذ کرنے پہ ایکٹ خاموش ہے
۲	ناجائز قبضہ اور متولی کی تعریف ادھوری ہے
۳	غیر رجسٹرڈ وقف عدالتی چارہ جوئی سے محروم ہونگے
۴	غیر رجسٹرڈ وقف کے لئے وقف کمشنر اور متولی قصوروار نہیں
۵	موقوفہ جائداد کا ہبہ یا فروختگی ناممکن
۶	مسجد، مقبرہ، امام باڑہ، درگاہ، قبرستان کا اکوزیشن ہوسکتا ہے
۷	وقف بورڈ سے مسلم تنظیموں کی نمائندگی ختم
۸	وقف بورڈ میں ٹاؤن پلانر، بزنس مینیجر اور ماہر زراعت کا نمائندہ ہو
۹	وقف بورڈ کا ایک ممبر ڈپٹی سکریٹری رینک کا ہو
۱۰	غیر مسلم وقف نہیں کرسکتا
۱۱	وقف سروے کا کام ان اوقاف پر ہوگا، جو ایکٹ کے نفاذ کے وقت وقف کی شکل میں ہوں
۱۲	واقف اور وقف علی الاولاد کی تعریف غیر واضح
۱۳	اوقافی جائداد میں ریونیو ریکارڈ بنیادی ہوں گے

مسلم پرسنل لا بورڈ کا موقف:

۱	موقوفہ جائداد کو خالی کرانے کے لئے پبلک پریمیسیز ایکٹ نافذ کیا جائے (تب ہی یہ ایکٹ مؤثر ہوگا)
۲	بورڈ نے ناجائز قبضہ اور متولی کی جامع تعریف کی ہے

۳	رجسٹریشن ہونا چاہئے مگر (الف) غیر رجسٹرڈ وقف عدالتی چارہ جوئی سے محروم نہ ہوں (ب) جو جائدادیں وقف ہیں، جو ماضی میں وقف رہی ہیں اور جو مستقبل میں ہوں گی، ہر ایک کا رجسٹریشن برابر جاری رہے
۴	متولی، وقف کمشنر اور سروے افسر کو قصوروار ٹھہرایا جائے
۵	ہبہ نہیں ہونا چاہئے، مگر بہت ہی خاص حالات میں وقف کو فروخت کر کے مقاصد وقف اور منافع وقف کی حفاظت کی جائے
۶	اکوزیشن سے مسجد، مقبرہ، امام باڑہ، درگاہ، قبرستان کو علیحدہ رکھا جائے
۷	دو مشہور تنظیموں کے عہدہ داروں کو رکن بنایا جائے
۸	غیر ضروری ہے۔
۹	غیر ضروری ہے۔
۱۰	غیر مسلم وقف کر سکتا ہے۔
۱۱	شرعی قانون اور سپریم کورٹ کا فیصلہ ہے کہ جو جائداد ایک بار وقف ہوگئی وہ ہمیشہ وقف رہے گی، اس لئے ماضی اور حال کے تمام اوقاف کا سروے ہو، اور یہ سلسلہ جاری رہے۔
۱۲	واضح تعریف ہونی چاہئے۔
۱۳	اوقافی جائداد میں وقف رجسٹر کی حیثیت بنیادی ہوگی، ریونیو ریکارڈ اسی لحاظ سے درست کئے جائیں، اس لیے کہ وقف جائداد کو سروے ریکارڈ میں عام طور پر سرکاری کارندے سرکاری زمین یا اسی طرح کی کوئی چیز لکھ دیتے ہیں۔ جس طرح بعض صوبوں میں قبرستان کو کبیر استھان لکھا گیا ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے سلیکٹ کمیٹی کے سامنے تین بار اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے اور اب کمیٹی کی رپورٹ آخری شکل لینے والی ہے، پھر اسے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے منظور ہونا ہے، مسلم پرسنل لا بورڈ چاہتا ہے کہ قانون ساز اداروں اور حکومت پر اپنا موقف مستحکم رہے، اور رائے عامہ بیدار رہے۔ اسی جذبہ اور ارادہ کے تحت آئینی حقوق بچاؤ تحریک مسلم پرسنل لا بورڈ منظم کر رہا ہے۔

۞۞۞

بقیہ: کم عمری کی شادی

اس سے بہت سے اخلاقی مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں، اور یہ اخلاقی بگاڑ بیک وقت صحت جسمانی کے لئے بھی مضر ہے، اور ساتھ ہی ساتھ سماج کے دوسرے لوگ بھی اس سے متأثر ہوتے ہیں، کیوں کہ کوئی شخص جب اخلاقی مفاسد کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے لئے سماج ہی میں اپنی غذا تلاش کرتا ہے، اسلام میں حفاظت اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اور والدین بھی اس سلسلہ میں جوابدہ ہیں، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو بچہ ہو تو اسے چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے، اور اس کی تربیت کرے پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر بالغ ہونے کے باوجود اس کا نکاح نہیں کیا، اور وہ گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اس کے باپ پر بھی اس کا گناہ ہوگا فإنما إثمه على أبيه (مشکوٰۃ ۲۷۱، کتاب النکاح)

دوسری اہم مصلحت یہ ہے کہ بعض دفعہ باپ لبِ گور ہوتا ہے، ظاہری حالات کے تحت اندیشہ ہے کہ اس کے بچوں کو یتیمی کا داغ لگنے والا ہے، اور اس کی موت کے بعد خاندان میں ایسے ذمہ دار اور دیانت دار لوگ نہیں ہیں، جن سے اُمید رکھی جا سکے، کہ وہ صحیح طور پر بچوں کی تربیت کر سکیں گے، اور مناسب رشتہ تلاش کر کے اس کے بے سہارا بچوں کی شادی کریں گے، ابھی بچے نابالغ ہیں، لیکن ایک موزوں اور مناسب رشتہ ہاتھ آ رہا ہے، تو ایسی صورت میں یقیناً مصلحت یہی ہے کہ اس وقت اس کا نکاح کر دیا جائے کہ اس میں اس کے لب گور سرپرست کے لئے سکون قلب بھی ہے، اور اس کے بچوں کے مستقبل کے محفوظ ہونے کی اُمید بھی۔

یقیناً یہ مصلحتیں ایسی نہیں ہیں، جنہیں نظر انداز کر دیا جائے، اس لئے قانون ایسا بنانا چاہئے جس میں مفادات کو حاصل بھی کیا جائے اور نقصانات سے حفاظت بھی ہو، یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو نابالغی کے نکاح سے بچا جائے، اگر باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء نکاح کریں یا باپ یا دادا ہی نکاح کریں، لیکن وہ اپنے اختیارات کا صحیح استعمال کرنے کے اہل نہ ہوں، تو بالغ ہونے کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کو اس نکاح کے باقی رکھنے یا ختم کر دینے کا اختیار دیا جائے، یہ حدود و قیود جن کی اسلام میں پہلے سے رعایت ہے، اگر ملحوظ ہو تو اس میں کم سنی کے نکاح کی مضرتوں سے بچا بھی جا سکتا ہے، اور اس کی مصلحتیں حاصل بھی کی جا سکتی ہیں، یہی اعتدال اسلام کا اصل امتیاز اور اس کی شناخت ہے۔

۞۞۞

وقف بل پر

پروفیسر سیف الدین سوز کمیٹی کی رپورٹ غیر اطمینان بخش

محمد عبدالرحیم قریشی (اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ، حیدرآباد)

وقف بل پر سیف الدین سوز کمیٹی کی رپورٹ کا جائزہ

وقف بل ۲۰۱۰ء کے لوک سبھا میں پاس ہونے کے بعد، راجیہ سبھا میں مباحث کے دوران کئی ارکان نے اس کی کئی دفعات پر اعتراض کیا جس پر یہ بل پروفیسر سیف الدین سوز کی سرکردگی میں تشکیل کی گئی سلیکٹ کمیٹی کے حوالہ کیا گیا۔ اس سلیکٹ کمیٹی نے اپنی رپورٹ راجیہ سبھا کو پیش کردی ہے۔ یہ رپورٹ وقف کے مفاد کے نقطہ نظر سے اطمینان بخش نہیں ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے وقف قانون پر اپنی تجاویز جوائنٹ پارلمنیٹری کمیٹی کو پیش کی تھیں جو وقف ایکٹ ۱۹۹۵ء کے تحت کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے تشکیل دی گئی تھی اور بعد میں، لوک سبھا سے بل پاس ہونے کے بعد اس بل کے تعلق سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک وفد نے وزیر اقلیتی امور مسٹر سلمان خورشید سے مل کر نمائندگی کی تھی۔ اس بل کے تعلق سے پہلے نمائندگی نہیں کی جا سکی کیونکہ بل سیشن کے آخری دن پیش کیا گیا اور غیر ضروری عجلت میں اس کو پاس کروالیا گیا اس بل کے مندرجات سے لوک سبھا کے ارکان کے علاوہ کسی کو واقفیت نہ ہو سکی بل کو سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کئے جانے کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے اعتراضات اور تجاویز روانہ کئے اور جب ۳/ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو مسلم پرسنل لا بورڈ کو بلایا گیا تو اس کے وفد نے سلیکٹ کمیٹی کی جانب سے پوچھے گئے نکات کی وضاحت کی۔

سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ غیر اطمینان بخش ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ وقف بل پر غور وخوض کے لئے اس نے ریاست جموں وکشمیر میں وقف کے نظم ونسق کا جائزہ لیا۔ اس ریاست میں وقف نظم ونسق ہندوستان کی دیگر ریاستوں سے مختلف ہے وقف ایکٹ ۱۹۹۵ء ریاست جموں وکشمیر میں نافذ نہیں ہے۔ اس لئے سلیکٹ کمیٹی ہندوستان میں وقف کے مسائل کو محسوس نہیں کرسکی اور وقف بل ۲۰۱۰ء کے مضر اثرات کا صحیح نقطہ نظر سے جائزہ نہیں لے سکی۔

بورڈ کی جانب سے سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ کا جائزہ درج ذیل ہے

دفعہ ۵ : بل کی دفعہ ۵ میں ناجائز قابض کی تعریف متعین کی گئی ہے اور اس کو وقف بورڈ کے تحت اور راست زیر انتظام اوقاف تک محدود کردیا گیا ہے اس کا اطلاق متولیوں اور کمیٹیوں کے زیر انتظام اوقاف پر نہیں ہوگا۔ اوقافی جائیدادوں کی بڑی تعداد تو وقف بورڈس کے راست انتظام میں نہیں ہے مسلم پرسنل لا بورڈ نے تجویز پیش کی تھی کہ ناجائز قابض کی تعریف اس طرح کی جائے کہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو سکے جو کسی وقف جائیداد پر غیر قانونی طور پر قابض ہو اور جس کی کرایہ داری یا لیز یا لائسنس کی مدت ختم ہو چکی ہو یا جس کو وقف کے ادارے نے ختم کردیا ہو۔

یہ بڑی بدبختانہ بات ہے کہ سلیکٹ کمیٹی نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا۔

دفعہ ۵ کی ذیلی دفعہ (۳) میں کہا گیا ہے متولی، ہندوستان کا شہری ہوگا اور وہ ریاستی حکومت کی جانب سے مقرر کردہ قواعد پر پورا اترے گا۔ مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس ذیلی دفعہ پر اعتراض کیا تھا اور وضاحت کی تھی کہ کئی اوقاف ایسے ہیں جن کے متولی، غیر مقیم ہندوستانی یا ہندوستانی نژاد ہیں اور وہ بہتر طریقہ پر اپنے اوقاف کا انتظام کررہے ہیں اور وقفہ وقفہ سے

ہندوستان آتے ہیں اور اوقاف کے انتظام کی نگرانی کرتے ہیں اور کئی نے اپنے اوقاف کو ترقی دی اور جائیدادوں کا اضافہ ان ملکوں سے لائی ہوئی رقموں سے کیا جہاں وہ مقیم ہیں اور اس کو وہ اپنے آباء واجداد کی خاطر ایک فریضہ سمجھتے ہیں جنھوں نے اوقاف قائم کئے تھے۔ ایسے اشخاص کو کیوں تولیت کے حق سے محروم کردیا جائے؟ مزید یہ کہ متولی کو ان شرائط اور معیارات کی تکمیل کرنا چاہیے جو واقف نے مقرر کی ہیں کسی اور شرط یا معیار کو پورا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟ اسلامی قانون کی رو سے واقف کی جانب سے تولیت کے لئے مقرر کردہ شرایط اور معیارات کے علاوہ کوئی اور شرط یا کوئی اور معیار تولیت کے لئے مقرر نہیں کیا جاسکتا۔

سلیکٹ کمیٹی نے ان معقول اعتراضات پر غور نہیں کیا۔

سنٹرل وقف کونسل:

آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے بل کی دفعہ ۱۱(بی) کی ذیلی دفعہ (۲) پر اعتراض کیا تھا۔ اس ذیلی دفعہ میں قاعدہ بنایا گیا ہے کہ نظم ونسق، مینجمنٹ، مالی مینجمنٹ، انجینیرنگ آرکیٹکچر اور میڈیسن کے شعبوں سے قومی سطح پر نمایاں چار اشخاص کو سنٹرل وقف کونسل میں شامل کیا جائے گا۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس کونسل کو جو وقف بورڈ کی کارکردگی اور وقف کے نظم ونسق کے معاملات میں مرکزی حکومت کو مشورہ دینے کے لئے قائم کی جارہی ہے اس میں انجینئرنگ، آرکیٹکچر اور میڈیسن کے شعبوں سے تعلق رکھنے والے اصحاب کی موجودگی کیوں درکار ہے۔ ان کی موجودگی بے سود ہے نظم ونسق اور مینجمنٹ کے ماہرین کی موجودگی درکار ہے۔ ان مسلم انجمنوں کے نمائندوں کی موجودگی ضروری ہے جو وقف کے معاملات میں دلچسپی لیتی ہیں۔ صرف یہی اشخاص وقف کے نظم ونسق اور وقف بورڈ کی کارکردگی کا صحیح اندازہ لگا سکتے اس لئے ان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

اگر سنٹرل وقف کونسل کو کسی موقع پر انجینئرنگ، آرکیٹکچر اور میڈیسن کے ماہرین کی رائے جاننا ضروری ہو تو ان کو اس غرض کے لئے بلانے اور رائے حاصل کرنے کی آزادی حاصل ہے۔

اس تجویز پر بھی سلیکٹ کمیٹی نے غور نہیں کیا۔

دفعہ ۱۳: بل کی دفعہ ۱۳، قانون کی دفعہ ۱۴ اور ریاستی وقف بورڈ کی تشکیل سے متعلق ہے بل کی دفعہ ۱۳ کے ذریعہ ریاستی وقف بورڈ میں معروف مسلم تنظیموں کی نمائندگی کو بالکل ختم کردیا گیا ہے اور ان کی جگہ ٹاؤن پلانر، بزنس مینجرس، مالی، ریوینیو، زرعی اور ترقیات کے ماہرین کو شامل کیا جارہا ہے ریاستی وقف بورڈس میں مسلم تنظیموں کی موجودگی، اوقاف کے تحفظ کے لئے بہت ضروری ہے۔

دفعہ ۲۰ : بل کی دفعہ ۲۷ کی ذیلی دفعہ ا (اے) میں کہا گیا ہے کہ وقف جائیداد کی فروختگی ہبہ یا رہن یا مکمل ٹرانسفر کالعدم ہوگا۔ بل کی دفعہ ۲۰ کی ذیلی دفعہ ا میں بھی قانون وقف کی دفعہ ۳۲ سے الفاظ 'فروخت' 'ہبہ' کو حذف کرنے کہا گیا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی یہ غور کردہ رائے ہے کہ قانون وقف کی دفعات ۳۲ اور ۵۱ میں لفظ فروخت کو برقرار رکھا جائے۔ بحث جائیداد وقف کی فروخت یا اس کے ہبہ کی اجازت کے اصول کے بارے میں ہے۔ اس پر اتفاق رائے ہے کہ جائیداد وقف کا ہبہ نہیں ہوسکتا۔ اس پر بھی اتفاق رائے ہے کہ ان اوقافی جائیدادوں کو جو مقصد وقف کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں فروخت نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے وہ زمین جس پر مسجد، درگاہ، خانقاہ اور امام باڑہ ہو نہ فروخت کی جاسکتی ہے اور نہ ہبہ میں دی جاسکتی ہے البتہ اوقافی جائیدادوں کی بڑی تعداد ہے جو کسی مذہبی وقف کو چلانے اور مدد دینے کے لئے وقف کی گئی ہیں جیسے مسجد، درگاہ، خانقاہ، امام باڑا وغیرہ کی مدد کے لئے۔ ایسی جائیدادوں کے بارے میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ان پر ناجائز قبضے ہوگئے یا ان سے اتنی کم آمدنی ہورہی ہے کہ اس سے وقف کے مقصد کو پورا نہیں کیا جاسکتا۔ حال ہی میں شہری اور نیم شہری علاقوں میں، زیادہ تر ریاست مہاراشٹرا میں ترقیات کنٹرول قواعد وضوابط میں تبدیلیاں لائی گئی ہیں جس کے نتیجہ میں ان اراضیات کو ڈیولپ کیا جاسکتا ہے جن پر غیر قانونی

طریقہ پر بستیاں بسائی اور جھونپڑ یاں بنائی گئی ہیں۔قواعد وضوابط میں ان تبدیلیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بلڈرس کے ذریعہ ایسی اراضیات کو ان شرائط پر جو وقف کے لئے سود مند ہوں ڈیولپ کیا جاسکتا ہے۔ایسی ڈیولپمنٹ اسکیموں میں مسجد' درگاہ' خانقاہ یا امام باڑہ کی مخدوش عمارت کی تعمیر کو شامل کیا جاسکتا ہے۔اور اوقافی جائیدادوں کے لئے اور بھی فائدے کی شکلیں فراہم کی جاسکتی ہیں۔اگر فروخت کو بالکل ممنوع قرار دیا جائے تو ملک کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں وہ اوقافی زمینات جن پر نا جائز بستیاں بس گئی ہیں جھونپڑ یاں بن گئی ہیں' ڈیولپ نہیں کی جاسکیں گی۔

اس طرح کئی اوقافی زمینیں ہیں جن کے قرب وجوار کے دیہاتوں سے مسلمان مختلف وجوہ سے نقل مقام کر چکے ہیں اور ان زمینوں پر دوسرے قابض ہو چکے ہیں وہ متعلقہ وقف کو کوئی رقم ادا نہیں کرتے۔یہ تقریباً ناممکن ہے کہ ان مقامات پر جا کر ان جائیدادوں کا دوبارہ قبضہ حاصل کیا جائے اور ان کو اپنے قبضہ اور کنٹرول میں رکھا جائے۔

ایسی صورتوں میں وقف کو فائدہ پہچانے کے لئے ان زمینوں کو فروخت کر دیا جائے۔اور فروخت کی رقم سے دوسری زمینیں خریدی جائیں اور ان کو اس انداز سے اور اس مقصد کے لئے وقف کر دیا جائے جو بیچی گئی زمینوں کا تھا۔

قانون شریعت میں ان اوقافی جائیدادوں کے سلسلہ میں جن سے کافی آمدنی نہیں ہوتی ہے اور جن سے وقف کا مقصد پورا نہیں ہوتا' فروخت کے مسئلہ پر لچک پائی جاتی ہے۔اس لئے حقیقی صورتحال کو دیکھے بغیر فروخت پر مکمل پابندی عائد کرنا' جبکہ بعض حالات کے تحت متولی ایسی جائداد کی فروخت کا طلب گار ہو' وقف کے اسلامی قانون کے اصولوں کے خلاف ہے۔

قانون وقف میں دفعہ ۵۱ اور دفعہ ۳۲ (۲) (اے)' ایک جائیداد وقف کی فروخت کے سلسلے میں متولی کے اختیار کے بارے میں مسلم پرسنل لا کی اسکیم کے عین مطابق ہیں۔یہ واضح ہے کہ فروخت صرف شدید ضرورت کے حالات میں ہوگی۔دوسرے یہ کہ اس فروخت کے شرایط' وقف کے لئے سود مند ہوں گے۔مزید یہ کہ اوقافی جائیدادوں کی فروخت کی رقم مقصد وقف کے لئے استعمال ہوگی دوسرے الفاظ میں فروخت سے وقف ختم نہ ہوگا۔بناء برایں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے یہ تجویز رکھی تھی کہ وقف ترمیمی بل کی دفعات ۲۰ اور ۲۷ کو رد کر دیا جائے اور موجودہ دفعات کو برقرار رکھا جائے۔

مسلم لا میں وقف جائیداد کی فروخت پر مطلق ممانعت نہیں ہے۔مسلم لا کے تحت مندرجہ ذیل حالات میں وقف کی جائیداد کی فروخت کی اجازت ہے۔

(الف) جبکہ فروخت بالکل ضروری ہو جائے مگر اس فروخت سے وقف ختم نہ ہو۔

(ب) فروخت کی رقم وقف کے مقصد کے لئے مختص ہوگی اور اس کو ان مقاصد کے لئے دوبارہ مشغول کیا جائے گا۔

(ج) فروخت کی رقم مناسب اور معقول ہو۔

(د) متولی یا اس کے رشتہ داروں کا فائدہ فروخت کرنے کی غرض نہ ہو۔

(ھ) فروخت نیک نیتی سے ہو اور اس میں وقف کا مفاد ہو۔

سلیکٹ کمیٹی نے جموں وکشمیر کی ریاست سے ہٹ کر دوسری ہندوستانی ریاستوں کی اوقافی جائیدادوں کی صورت حال پر غور نہیں کیا جن سے کوئی آمدنی نہیں ہوتی یا نا کافی آمدنی ہوتی ہے۔یا جن پر دوبارہ قبضہ کرنا مسلمانوں کے لئے مشکل ہو گیا ہو۔

رپورٹ کی دفعہ ۳۰ :

یہ بل کی دفعہ ۲۹ اور قانون وقف کی دفعہ ۵۲ سے متعلق ہے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے یہ تجویز رکھی تھی کہ 'بورڈ کے تحت ہوگی' کے الفاظ حذف کر دیئے جائیں اور ان کی بجائے 'متعلقہ وقف کو بحال کی جائے گی' کے الفاظ شامل کئے جائیں۔

متولی یا کسی اور کی غلط کاری کی سزا وقف سے استفادہ کرنے والوں کو دینا لغو بات ہے کہ اگر وقف جائیدادوں کو بورڈ کی اجازت کے بغیر منتقل کر دیا گیا ہو تو ان کو وقف بورڈ کے تحت کر دیا جائے۔ اس لئے یہ تجویز رکھی گئی کہ ایسی جائیدادیں متعلقہ وقف کو بحال کی جائیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ایک اور تجویز رکھی تھی کہ متعلقہ متولی کو فوری ہٹا دیا جائے اور اگر اس وقف میں کوئی اسکیم نہ ہو تو دفعہ ۶۹ کے تحت اسکیم تیار کی جائے اور ہٹا دیئے گئے متولی کی جگہ نیا متولی مقرر کیا جائے بورڈ نے اس تجویز کی ترمیمی عبارت مرتب کر کے پیش کی تھی۔

سلیکٹ کمیٹی کی یہ تجویز کہ ریاستی حکومت کا مجاز کردہ کوئی آفیسر کمپلینٹ COMPLAINT درج کرواسکتا ہے مناسب نہیں ہے۔ دفعہ ۲۹ کے ذریعہ بل نے قانون کی دفعہ ۵۲ اے میں جو ترمیم کی ہے وہ مناسب ہے۔

دفعہ ۳۱ : بل کی اس دفعہ میں قانون کی دفعہ ۵۳ (۳) میں ایک شق (سی) کا اضافہ تجویز کیا گیا ہے جو ایک استثنیٰ کی شکل میں ہے کہ لیز LEASE یا سب لیز کی مدت ایک سال سے زیادہ ہونے کی صورت میں وقف بورڈ اس کی اطلاع ریاستی حکومت کو دے اور ریاستی حکومت کو مطلع کرنے کی تاریخ کے (۴۵) دن بعد لیز یا سب لیز مؤثر ہوگی۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس استثنائی اضافہ کو حذف کرنے کی تجویز رکھی ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بورڈ کو ایک خود مختار باڈی کی حیثیت میں ابھرنا چاہیے۔ جائیداد وقف کی کسی لیز کے بارے میں ریاستی حکومت کو اطلاع دینا ضروری نہیں ہے اور اس میں کوئی معقولیت نہیں ہے کہ اطلاع کی تاریخ سے (۴۵) دن تک لیز کو معطل رکھا جائے۔ اس لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے شق (سی) کے حذف کی تجویز رکھی ہے۔ سلیکٹ کمیٹی نے اس پر بھی غور نہیں کیا۔

دفعہ ۴۷ : بل کی اس دفعہ کے ذریعہ قانون میں دفعہ ۱۰۴ اے کا اضافہ کیا جا رہا ہے جس میں وقف کی جائیداد کے فروخت، ہبہ اور مکمل ٹرانسفر پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے بتایا ہے کہ ہبہ اور مکمل ٹرانسفر پر پابندی لگائی جائے لیکن فروخت کی بعض مخصوص حالات میں اجازت دی جائے۔ جن کو دفعہ ۲۷ پر تبصرہ میں بیان کیا گیا ہے۔

سلیکٹ کمیٹی کی اضافی سفارشات

۲) سلیکٹ کمیٹی نے یہ سفارش کی ہے کہ پبلک پریمائسس (ناجائز قابض کی بے دخلی) ایکٹ ۱۹۷۱ کی متعلقہ دفعات کو وقف بل میں شامل کیا جائے یا ریاستی حکومتیں قانون سازی کے ذریعہ وقف کو پبلک پریمائسس قرار دیں۔

سلیکٹ کمیٹی کی اس سفارش کی بنیاد وزارت قانون وانصاف کے قانون سازی شعبہ کے ایک عہدیدار کی 'شخصی رائے' ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ سلیکٹ کمیٹی نے حکومت کے ملازم کی 'شخصی رائے' کو جسٹس سچر کمیٹی کی سفارشات پر فوقیت دی۔ سچر کمیٹی نے یہ سفارش کی تھی کہ پبلک پریمائسس ایکٹ ۱۹۷۱ میں ترمیم کر کے رجسٹرڈ اوقاف کی جائیدادوں کو پبلک پریمائسس کی تعریف میں شامل کیا جائے۔

یہ سمجھنا مشکل ہے کہ وزارت قانون وانصاف' وقف کو پبلک پریمائسس میں شامل کرنا کیوں مناسب نہیں سمجھتی راجستھان کے پبلک پریمائسس قانون میں وقف شامل ہے اور اس کی وجہ سے کوئی قانونی مسائل پیدا نہیں ہوتے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اصرار ہے کہ وقف کو پبلک پریمائسس کی تعریف میں مرکزی قانون میں شامل کیا جائے۔

۳) سلیکٹ کمیٹی نے یہ سفارش کی ہے کہ اوقافی جائیدادوں کو رینٹ کنٹرول ایکٹ سے مستثنیٰ کیا جائے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے یہ تجویز رکھی تھی کہ وقف پر درج ذیل قوانین کا اطلاق نہ کیا جائے۔

الف : انعام ابولیشن ایکٹ

ب : ٹینینسی ایکٹ

ج : اگریکلچرل لینڈ سیلینگ ایکٹ

د : اربن لینڈ سیلینگ ایکٹ اور

ھ : رینٹ کنٹرول ایکٹ

اوقافی جائیدادوں کے تحفظ کے لئے ان تمام قوانین سے استثنیٰ ضروری ہے۔ یہ بات بدبختانہ ہے کہ سلیکٹ کمیٹی نے آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی اس تجویز کی معقولیت کو محسوس نہیں کیا۔

۴) جوائنٹ پارلمنٹری کمیٹی نے یہ سفارش کی تھی کہ ایک مرتبہ سروے کمشنر کی جانب سے کسی جائیداد کی بحیثیت وقف اشاعت عمل میں آجائے تو اس کو ریونیو ریکارڈ اور حق ملکیت کے تعین کے لئے سابقہ اندراجات میں تبدیلی تصور کیا جائے۔ بل میں اس سفارش کو شامل نہیں کیا گیا ہے سلیکٹ کمیٹی نے اس سفارش کو دہرایا ہے اور یہ سفارش بہت موزوں اور ضروری ہے۔

بورڈ کی وہ تجاویز جن کو سلیکٹ کمیٹی نے نظر انداز کر دیا

۱۔ وقف علی الاولاد:

بل کی دفعہ۴ کی شق ۵ قانون وقف کی دفعہ۳ میں بیان کی گئی دو تعریفات سے متعلق ہے اور اس کی عبارت پیچیدہ ہے کہ مطلب بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے وقف علی الاولاد کی تعریف کے متعین الفاظ تجویز کئے۔

۲۔ تعریف وقف:

قانون وقف ۱۹۹۵ کی دفعہ۳ (آر) میں یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وقف کرنے والا مسلمان ہو۔ یہ شرط قوانین وقف میں۱۹۵۴ سے لے کر ۱۹۹۵ء تک نہیں تھی۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے سلیکٹ کمیٹی کو بتلایا تھا کہ فقہ اسلامی میں ایک غیر مسلم بھی ان مقاصد کے لئے جو مقدس، مذہبی اور خیراتی ہوں اس خیال کے ساتھ کہ یہ ایک نیک عمل ہے کوئی جائیداد مختص کرے تو وہ مسلم وقف شمار ہوگی۔ ہندوستان میں کئی مہاراجاؤں، راجاؤں اور ہندو جاگیرداروں نے اپنی مسلم رعایا کے لئے مسجدیں بنوائیں، مسلم اولیاء کی قبروں پر درگاہیں بنائیں درگاہوں کے اغراض کے لئے جائیدادیں وقف کیں، مدرسے اور یتیم خانے قائم کئے فقہ اسلامی کے اس اصول کو قوانین وقف ۱۹۵۴ اور ۱۹۸۴ء میں ملحوظ رکھا گیا اور وقف کرنے والے کے لئے 'کوئی شخص' کے الفاظ استعمال کئے گئے قانون کی دفعہ ۱۰۴ کی رو سے ایک غیر مسلم، مسجد، درگاہ، امام باڑہ، عیدگاہ، خانقاہ، مقبرہ، مسلم قبرستان اور مسافر خانہ کی مدد کے لئے جائیدادوں کا عطیہ دے سکتا ہے لیکن وہ خود مسجد، درگاہ وغیرہ بنوا نہیں سکتا۔ اس لئے یہ دفعہ ناکافی ہے۔ اس لئے وقف کی تعریف ہی میں 'یا کسی اور شخص' کے الفاظ شامل کرنا ضروری ہے۔

۳۔ وقف بالاستعمال :

وقف کی کئی اراضیات بالخصوص قبرستان یا اس کے لئے وقف کردہ زمینوں پر ریاستی حکومتیں قابض ہیں۔ اس صورتحال پر جوائنٹ پارلیمنٹیری کمیٹی نے غور کیا اور یہ تجویز رکھی کہ ریونیو ریکارڈ میں اندراج چاہے کچھ ہو وقف بالاستعمال وقف ہی رہے گا آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے جوائنٹ پارلیمنٹیری کمیٹی کے تجویز کردہ اضافہ کو مزید مؤثر بنانے کے لئے چند ضروری الفاظ کے اضافہ کے ساتھ اس اضافہ کی تجویز سلیکٹ کمیٹی کے روبرو رکھی تھی۔

۴۔ سروے :

کسی ریاست میں اوقافی جائیدادوں کے سروے کے تعلق سے قانون کی دفعہ۴(۱) میں کہا گیا ہے کہ سروے قانون کے نفاذ کی تاریخ پر موجودہ اوقاف سے شروع ہوگا۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی تجویز یہ ہے کہ سروے ان تمام اوقافی جائیدادوں کا ہو جو ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء پر موجود تھیں اور اس کے بعد وجود میں آئیں۔

قانون کی موجودہ دفعہ سے وہ تمام اوقاف فہرست سے خارج ہوجاتے ہیں جن پر قانون کے نفاذ کی تاریخ سے پہلے قبضہ کرکے حیثیت وقف تبدیل کردی گئی اور ایسے تمام ناجائز قابضین کو یہ دفعہ قانونی جواز عطا کرتا ہے۔ اگر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی تجویز کے مطابق قانون میں

تبدیلی نہ لائی گئی تو ہزار ہا اوقاف تلف اور ختم ہو جائیں گے۔

۵۔ نوعیت وقف کی قطعیت:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے ایک دفعہ کے اضافہ کی تجویز رکھی گئی تھی جس کی رو سے' کسی دیگر قانون کے علی الرغم' ریونیو کوڈ یا ریونیو ایکٹ کے تحت مقرر کردہ حکام وقف بورڈ کے جاری کردہ صداقت نامے کے پابند ہوں گے کہ اس میں درج جائیداد وقف ہے اور اپنے لینڈ ریونیو ریکارڈ میں اس کے مطابق ترمیم کریں گے۔

۶۔ وقف میں مفاد رکھنے والا شخص:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تجویز یہ تھی کہ بل کے ذریعہ 'وقف میں مفاد رکھنے والا شخص' کے الفاظ کے بجائے گزٹ میں فہرست وقف کی اشاعت سے 'ناراض شخص' کے الفاظ داخل کرنے کی تجویز کے ساتھ ساتھ سابقہ الفاظ کو برقرار رکھا جائے تاکہ اس کو بھی گزٹ میں کسی وقف کی تفصیلات کے بارے میں اختلاف ہو تو عذرداری کا موقعہ مل سکے۔

۷۔ چیف ایگزیکیٹو آفیسر کے اختیارات:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے موجودہ قانون کی دفعہ ۲۶ کو حذف کرنے کی تجویز رکھی تھی کیونکہ اس دفعہ کی رو سے چیف ایگزیکیٹو آفیسر کو وقف بورڈ کے فیصلوں کو روبہ عمل لانے کی بجائے ریاستی حکومت سے ریفر کرنے کا اختیار ملتا ہے۔سی۔ای۔او کو وقف بورڈ کا تابع ہونا چاہیے اور اس کو وقف بورڈ کے اوپر کوئی اختیار نہیں ملنا چاہئے۔

۸۔ وقف جائیدادوں کے ڈیولپمنٹ کے لئے متولی کی برخاستگی:

بل میں یہ قاعدہ بنایا گیا ہے کہ اگر کوئی متولی' ڈیولپمنٹ کے لئے وقف بورڈ کی تیار کردہ اسکیم سے اتفاق نہ کرے تو وقف بورڈ اس کو برخاست کرکے ڈیولپمنٹ کا کام کرے اور قانون میں قبل از قبل ریاستی حکومت کی منظوری حاصل کرنے کی شرط کو ختم کرنے کی سفارش سلیکٹ کمیٹی نے کی ہے۔مسلم پرسنل لا کی رو سے وقف کے انتظام اور ڈیولپمنٹ کی پوری ذمہ داری متولی کی ہے اور اگر ایک دیانتدار متولی' ڈیولپمنٹ سے اتفاق نہ کرے تو اس اسکیم کو ترک کر دینا چاہیے۔بل میں تجویز تو یہ ہے کہ بورڈ میں ڈیولپرس او راکسپرٹس ہوں اور یہ جہاں کھلی زمین دیکھیں گے اس کے اصل مقصد کو دیکھنے کی بجائے اس پر ڈیولپمنٹ کی اسکیم بنائیں گے۔اوقافی زمین کھلی چھوڑی رہتی ہے مستقبل میں توسیع کے لئے۔یہ توسیع مسجد' قبرستان' درگاہ وغیرہ کی ہوسکتی ہے بعض اوقاف میں جیسے عیدگاہ میں عید کی نماز کے لئے 'درگاہ میں عرس کے لئے کھلی زمین ضروری ہوتی ہے۔

۹۔ دفعہ ۸۷ قانون وقف ۱۹۹۵:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو اس دفعہ کے حذف کئے جانے پر اصرار ہے۔اس دفعہ کے ذریعہ غیر رجسٹرڈ وقف کو قانونی چارہ جوئی کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔یہ وقف کے بنیادی اصول کے خلاف ہے کہ ایک مرتبہ جو وقف ہو گیا وہ ہمیشہ کے لئے وقف رہے گا۔کسی وقف کے رجسٹرڈ نہ ہونے کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔اس کی وجہ متولی کی غلطی ہوسکتی ہے۔یہ سروے کرنے والے عہدیداروں کی غلطی ہوسکتی ہے۔ان کی غلطیوں کی وجہ سے وقف کو کیوں سزا دی جائے یہ بھی دیکھا جائے کہ ایک دور دراز گاؤں میں جو دارالحکومت سے بہت دور ہو وہاں ایک شخص اپنی زمین' اپنی جائیداد وقف کرے' مسجد بنائے' قبرستان کے لئے جگہ دے وغیرہ اور اس کے بعد کیا اس سے یہ توقع رکھنا مناسب ہوگا کہ ہزار ہا روپے خرچ کرکے گواہوں کو ساتھ لے کر دارالحکومت کے شہر کو آئے اور کئی دنوں تک ان سب کے ساتھ ٹھہر کر رجسٹرڈ کرائے!۔ایسی توقع خیال خام ہے اس دفعہ کی موجودگی سے کئی اوقاف ختم ہو گئے اور ہزاروں جائیدادوں کو خطرہ لاحق ہے۔

اس جائزہ کو پڑھئے' آپ خود محسوس کریں گے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے کتنی اچھی اور معقول تجاویز وقف بورڈ کو کارکرد بنانے اور اوقاف کے تحفظ کے لئے پیش کی تھیں اور ان تجاویز پر پروفیسر سیف الدین سوز صاحب کی کمیٹی نے' حیرت ہیکہ توجہ کے ساتھ غور نہیں کیا۔اس کمیٹی کی رپورٹ سے وقف کے مفاد میں کچھ حاصل نہیں ہوا۔

بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کا حق

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی (سکریٹری بورڈ، مونگیر)

مرکزی حکومت نے ہر ہندوستانی کو پڑھا لکھا بنانا چاہا ہے، اور اس مقصد کے لیے یکم اپریل ۲۰۱۰ء سے ملک میں جو قانون نافذ کیا گیا ہے، اس کا نام ہے ''بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کے حق کا قانون ۲۰۱۰ء''— جسے عام طور پر آر ٹی ای R T E کہتے ہیں، ہر ہندوستانی پڑھا لکھا، تہذیب یافتہ اور اپنے حق کو پانے والا اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے والا بن جائے، اس ارادہ سے نہ صرف اتفاق کرنا چاہئے، بلکہ اس کی بھرپور تائید وحمایت کرنی چاہئے، اسی لیے مرکزی حکومت کے اس نیک ارادہ کو پورے ملک میں پسند کیا گیا، اور ہر ایک حلقہ نے اس کی تائید کی۔

اس قانون کو مرکزی حکومت نے کچھ اس انداز سے پیش کیا ہے، جیسے یہ مستقبل کے ہندوستان کے ہر درد کا مداوا اور ہر مرض کا علاج ہو۔ اس لیے لوگوں نے عام طور پر قانون دیکھے، پڑھے اور سمجھے بغیر اس کی زبردست تائید کی، اور جب میں نے اس قانون کے نتائج پر لکھا، میرے مضامین آئے، تو لوگوں نے ناک بھوں چڑھانا شروع کر دیا، اور یہ تأثر دیا گیا کہ تعلیم کو ''عام انسان'' تک پہونچانے کی بھی مخالفت ہو رہی ہے! لیکن اب صورتحال بدل رہی ہے اور مرکزی حکومت کی وزارت فروغ انسانی وسائل نے ایکٹ پر جب گائڈ لائن (۲۳/نومبر ۲۰۱۰ء) جاری کیا، تو بات کھل گئی کہ اس قانون میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک نہیں ہے۔

اب بھی ضرورت ہے کہ ''عام انسان'' قانون کو سمجھے، خاص طور پر بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کے حق کے قانون کی بنیادی غلطیوں پر غور کرے، ایسا کرنا اچھی تعلیم اور صحت مند جمہوری ملک کے لیے ضروری ہے، یوں بھی ہر باعزت اور باشعور ہندوستانی کی ذمہ داری ہے کہ وہ قانون سمجھے اور قانونی ڈھانچہ پر نگاہ رکھے، اس کے نتیجہ میں وہ اپنے حق کو پانے کی کوشش کرے گا، اور اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینے کے لیے تیار ہو سکے گا— یہ قانون R T E اور مرکزی حکومت کا جوذہن ہے، اس کے نتیجہ میں ملک میں تعلیم کی صورتحال آنیوالے برسوں میں کچھ ایسی ہو جائے گی، کہ:

۱- اب چھ سے چودہ سال (اور اب تین سے اٹھارہ سال) تک کے ہر ہندوستانی کا حق ہے اور حکومت، مقامی ذمہ داران حکومت، والدین اور اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس عمر کے ہر بچہ/بچی کو پڑھائیں۔

۲- اس عمر کے ہندوستانیوں کو کیا پڑھنا ہے؟ کس طرح پڑھنا ہے؟ کہاں پڑھنا ہے؟ اور کس سے پڑھنا ہے؟ یہ سب، اس قانون میں واضح ہے۔

۳- تعلیم گاہ (ایلمنٹری اسکول) میں کام کرنے والوں کی بحالی، برخواستگی کا مستقل سسٹم ہوگا، اسکول کی انتظامی کمیٹی کی شکل وصورت بھی قانون میں طے ہے۔

۴- ایسی ہر تعلیم گاہ میں پچیس فیصد بچے پڑوس کے لازماً ہوں گے۔

۵- کوئی بھی طالب علم بارہویں سے پہلے کسی امتحان میں فیل نہیں کیا جاسکتا! وہ اسکول نہ آئے تو پوچھا نہیں جاسکتا! وہ یاد نہ کرے، تو اس پر گرفت نہیں کی جاسکتی!

یہ بنیادی ڈھانچہ ہے R T E کا—اب ذرا غور کیجئے کہ ہر بچہ/بچی کو لازماً ایلمنٹری ایجوکیشن حاصل کرنی ہے، اس کی پڑھائی کے لیے نصاب بھی طے ہے، پڑھائی کی جگہ (اسکول) بھی طے ہے، ماسٹر صاحب بھی طے ہیں، تو پھر مدرسہ کی تعلیم کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے؟ اور اگر

والدین ر سرپرستوں نے کسی بچہ ربچی کو مدرسہ میں داخل کر بھی دیا اور مولوی صاحب نے دینی تعلیم دی، تو وہ مجرم ہوں گے، طالب علم کی ایک درخواست پر مولوی صاحب جیل جائیں گے، اور مدرسہ پر جرمانہ ہوگا—— اگر والدین نے ایلمنٹری ایجوکیشن حاصل کرنے میں بچوں پر رکاوٹ ڈالی تو وہ بھی مجرم قرار دیئے جائیں گے —— ایسے میں ''مدرسہ اور مکتب'' کا نام لیے بغیر اس کے خاتمہ کا معقول انتظام اس قانون میں موجود ہے!

اوپر دی ہوئی تفصیل کے نمبر۳ پر غور کیجئے، اساتذہ اور اسٹاف کی بحالی کا مستقل سسٹم، انتظامی کمیٹی کے ممبران کی تفصیل بھی طے کر دی گئی، نصاب تعلیم بھی طے کر دیا گیا، تو آئین ہند نے اقلیتوں کو ''اپنی پسند کے ادارے بنانے اور چلانے کا جو بنیادی حق'' دفعہ ۲۹/۳۰ میں مانا ہے، وہ ''حق'' کس طرح ادا ہوگا——؟ مثلاً اگر اقلیتی ادارہ یہ طے کرے کہ اس اسکول میں پڑھانے یا پڑھنے والے سب مرد ہوں، یا سب عورتیں یا سب لڑکیاں ہوں، تو یہ تازہ قانون رکاوٹ بنے گا، انتظامیہ کمیٹی میں اگر نئے قانون کے لحاظ سے متعین کیٹیگری کے مطابق نمائندے ممبر نہیں بنائے گئے، تو اسکول کو منظوری نہیں ملے گی۔

آئین ہند کی دفعہ ۳۰ میں ''پسند کے اداروں'' کے بنانے کا جو حق مانا گیا ہے، وہ اقلیتوں کو اس لیے دیا گیا ہے، تاکہ وہ اپنی پسند کے اداروں میں اپنی اقلیتی خصوصیات کو باقی رکھیں، ترقی دیں اور اگلی نسل کو واقف کراتے رہیں، اگر کوئی لسانی اقلیت ہے تو اس کا حق ہے کہ وہ اپنے ادارے بنائے اور اپنی زبان اور اپنے کلچر میں بچوں کو ماہر بنائے اور اگر مذہبی اقلیت ہے تو اسے حق ہے کہ وہ اپنی تعلیم گاہ میں اپنے پسندیدہ مذہب، تہذیب اور روایات کو بچوں میں منتقل کریں، یہ اقلیتی اسکولوں کا حق بھی ہے، اور ذمہ داری بھی—— مگر آئین ہند کا یہ مانا ہوا حق R T E کے نئے قانون کی رو سے پیچھے ہو جائے گا، اور افسران نئے قانون کے سہارے اقلیتی اداروں کی انتظامیہ اور اساتذہ کو تنگ کریں گے، جس کی شروعات بہار، یوپی، مدھیہ پردیش میں ہو چکی ہے۔

اب اوپر لکھے نمبر۴ اور نمبر۵ کو پھر دیکھ لیجئے——اگر کوئی بہت معیاری اسکول ہے، جہاں ٹیسٹ کے ذریعہ اونچی اور اچھی صلاحیت کے طلبہ کا داخلہ لیا جاتا ہے، تو وہاں بھی پچیس فیصد ''پڑوسی طلبہ'' داخل ہوں گے—— ان پچیس فیصد طلبہ کا داخلہ لازماً ہوگا، جس کے لیے قانوناً کوئی ٹیسٹ نہیں ہوسکتا، یہ پچیس فیصد بے صلاحیت ''پڑوسی'' اچھے اور معیاری اسکول کی تعلیم کے معیار کتنا گرا دیں گے، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے! خود حکومت کے اسکولوں نوادے ودیالیہ، سنٹرل اسکول، آرمی اسکول، نیوی اسکول اور مختلف صوبوں میں حکومت کے کھولے ہوئے بہت معیاری اسکول کا تعلیمی ڈسپلن ان پچیس فیصد مہمانوں کے آنے کے بعد کیسے باقی رہے گا؟

اور جب امتحان دیئے بغیر پاس کرنا ہے، اور بارہویں کلاس تک ترقی ملتی ہی رہے گی، تو پڑھنے، یاد کرنے اور آگے بڑھنے کا جذبہ کس طرح بیدار ہوگا؟ مقابلہ کا مزاج کیسے بنے گا——؟ جب استاذ یہ بھی پوچھ نہیں سکتا، کہ ''حضور! کل کلاس میں آپ کیوں نہیں آئے تھے''- آپ نے سبق یاد نہیں کیا، وجہ کیا ہے؟ یا یہ کہ پچھلے ایک ماہ سے آپ نے اسکول آنے کی زحمت گوارہ نہیں کی، کوئی خاص مجبوری تھی—؟ تو پھر تعلیم کیا ہوگی، اور شوقین بچوں کا شوق بھی کس طرح جاگتا رہے گا—— امتحان میں فیل کرنے کا کوئی حق کسی ٹیچر یا اکزامینر کو قانوناً نہیں ہے —— ایسی صورتحال میں بارہویں تک پہونچنے والے طلبہ کی کیسی لیاقت ہوگی، سمجھا جاسکتا ہے۔

اس لیے میری رائے یہ ہے کہ یہ قانون مدرسہ مخالف، اقلیتی اسکول مخالف اور معیاری تعلیم مخالف ہے، جو علمی امتیاز اور مقام ہندوستان نے عالمی سطح پر بنایا ہے، یہ قانون اس کے خاتمہ اور ایلمنٹری ایجوکیشن کے دردناک زوال کا ذریعہ ہوگا، اس لیے ہر مسلمان اور ہر ہندوستانی کی ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کے متعلق اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرے اور مرکزی حکومت سے قانون میں مناسب ترمیم کا مطالبہ کرے۔!

آر-ٹی-ای-مسلمانوں کے لئے امرت یا زہر......؟

الحاج جمیل منظر (رکن بورڈ کولکاتا)

مرکزی حکومت ہر ہندوستانی کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے مقصد سے یکم/اپریل ۲۰۱۰ء سے ملک میں جو قانون نافذ کیا ہے، اس کا نام ہے ''بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کا حق کا قانون ۲۰۱۰ء'' جسے عام طور پر .R.T.E کہتے ہیں۔ اس قانون کی کچھ اہم اور بنیادی باتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ چھ سے چودہ سال کے ہر ہندوستانی بچے کو مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کا حق ہے جس کے لئے حکومت، مقامی ذمہ داران حکومت، والدین اور اساتذہ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس عمر کے ہر بچہ/ بچی کو تعلیم دیں۔

۲۔ کسی بھی بچے سے کسی قسم کی فیس کی ادائیگی نہیں کی جاسکتی ہے جس کی وجہ سے اسے (ایلیمنٹری تعلیم) کی مکمل حصولیابی میں رکاوٹ پیدا ہو۔

۳۔ تعلیم گاہ (ایلیمنٹری اسکول) میں کام کرنے والوں کی بحالی، برخواستگی کا مستقل نظام ہوگا۔ اسکول انتظامیہ کمیٹی کی شکل وصورت بھی قانون میں طے ہے۔

۴۔ ایسی ہر تعلیم گاہ جس کو حکومت کی طرف سے امدادی عطیہ (Grant-in-Aid) دستیاب نہ ہو، اس درس گاہ میں پچیس فیصد پڑوس کے بچے کا داخلہ درجہ اول میں لازماً ہوں گے۔

۵۔ کوئی بھی طالب علم آٹھویں کلاس تک کسی بھی امتحان میں فیل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسکول سے غیر حاضر رہنے، اسکول کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے یا تعلیمی ماحول کو خراب کرنے کی صورت میں بھی اسکول کے اساتذہ اسے سزا نہیں دے سکتے ہیں۔

حکومت کے اس ارادے سے ہم نہ صرف اتفاق کرتے ہیں بلکہ اس کی پوری تائید کرتے ہیں لیکن اس قوانین کے دوررس نتائج کو سوچا جائے اور گائڈ لائن پر غور کیا جائے تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک نظر نہیں آتا ہے۔

اوپر دی ہوئی تفصیل کے نمبر ۳ پر غور کیجئے۔ اساتذہ اور اسٹاف کی بحالی کا مستقل نظام، انتظامی کمیٹی کے ممبران کی تفصیل، نصاب تعلیم بھی طے کر دیا گیا ہے تو دستور ہند نے اقلیتوں کو ''اپنی پسند کے ادارے بنانے اور چلانے کا جو بنیادی حق'' دفعہ 30/29 میں دیا گیا ہے۔ وہ ''حق'' کس طرح ادا ہوگا۔ وہ اپنی مرضی سے کس طرح ادارہ چلا سکتے ہیں۔ اگر کوئی لسانی اقلیت ہے تو اس کا حق ہے کہ وہ اپنے ادارے بنائے اور اپنی زبان اور اپنے کلچر، اپنی تہذیب اور روایات میں وہ بچوں کو تعلیم دیں مگر آئین ہند کا یہ مانا ہوا حق RTE کے نئے قانون کی رو سے مشکلات پیش آئیں گی۔ افسران نئے قانون کے سہارے اقلیتی اداروں کے انتظامیہ اور اساتذہ کو پریشان کریں گے جس کی شروعات بہار، بنگال، یوپی، مدھیہ پردیش میں ہو چکی ہے۔

اوپر دی ہوئی تفصیل نمبر 4 اور 5 پر غور کریں۔ معیاری اسکولوں میں جہاں داخلہ ٹیسٹ کے ذریعہ اونچی اور اچھی صلاحیتوں کے طالب علموں کا ہی داخلہ لیا جاتا ہے۔ اب وہاں بھی 25 فیصد ''پڑوسی طلبہ'' کا داخلہ لازماً ہو گیا۔ اس سے دوسرے ذہین طلباء و طالبات کے معیار اس حد تک پست کر دیں گے جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ آٹھویں درجہ میں پاس فیل کے ضابطہ کو ختم کرنے سے بھی معیار تعلیم میں بہت بڑی گراوٹ کا اندیشہ ہے۔ اسکول سے غیر حاضر طلباء و طالبات اور ان کے ذریعہ اسکول کے قوانین کی خلاف ورزی پر انہیں سزا نہ دینے پر اسکول کا ڈسپلن بالکل چرمرا سا ہو جائے گا۔ اور تربیت نام کی چیزیں مفقود ہو جائیں گی۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ۲۶/نومبر ۲۰۱۱ء کو مجلس عاملہ کی میٹنگ میں آئینی حقوق بچاؤ تحریک کے عنوان سے پورے ملک میں مرحلہ وار

تحریک چلانے کا فیصلہ کیا ہے۔ بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب اور جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب کی ہدایت کے مطابق کل ہند کنو ینر حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کی قیادت میں یہ تحریک ملک گیر سطح پر جاری ہے۔ مرکزی حکومت کے وزرات فروغ انسانی وسائل نے ایکٹ پر جب گائڈ لائن ۲۳ رنومبر ۲۰۱۰ء کو جاری کیا، تو یہ بات کھل گئی کہ یہ قانون تشفی بخش نہیں ہے۔ عام انسان قانون کو سمجھے، خاص طور پر بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کے حق کے قانون کی بنیادی غلطیوں پر غور کرے، ایسا کرنا اچھی تعلیم اور صحت مند جمہوری ملک کے لئے ضروری ہے۔ یوں بھی ہر باعزت اور باشعور ہندوستانی کی ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کو سمجھے اور قانونی ڈھانچہ پر نگاہ رکھے۔ اس کے نتیجہ میں وہ اپنے حق کو پانے کی کوشش کرے گا اور اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینے کے لئے تیار ہو سکے گا۔

یہ بنیادی ڈھانچہ ہے RTE کا۔ اب ذرا غور کیجئے کہ ہر بچہ/ بچی کو لازماً ایلیمنٹر ی ایجوکیشن حاصل کرنی ہے، اس کی پڑھائی کے لئے نصاب بھی طے ہے، پڑھائی کی جگہ (اسکول) بھی طے ہے، ماسٹر صاحب بھی طے ہیں، تو پھر مدرسہ کی تعلیم کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے؟ اور اگر والدین/ سرپرستوں نے کسی بچہ/ بچی کو مدرسہ میں داخل کر بھی دیا اور مولوی صاحب نے دینی تعلیم دی تو وہ مجرم ہوں گے، طالب علم کی ایک درخواست پر مولوی صاحب جیل جائیں گے، اور مدرسہ پر جرمانہ ہوگا۔ اگر والدین نے ایلیمنٹر ی ایجوکیشن حاصل کرنے میں بچوں پر رکاوٹ ڈالی تو وہ بھی مجرم قرار دیئے جائیں گے۔ ایسے میں ''مدرسہ اور مکتب'' کا نام لئے بغیر اس کے خاتمہ کا معقول انتظام اس قانون میں موجود ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ جب علماء پیدا ہی نہ ہوں گے تو یہ قوم بغیر قائد کے ہو کر رہ جائے گی۔ اور اقوام عالم کی تاریخ میں یہ اصول مسلم ہے کہ جب بھی کسی قوم کا اس کی تہذیب سے رشتہ ٹوٹا ہے تو وہ قوم خود بخود بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتی ہے۔ RTE کے نکات سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار کے اس ایکٹ سے تعلیمی اداروں کے شرائط اور انفرا سٹرکچر کے نام پر ایسی رکاوٹ کھڑی ہوگی جس سے دستور ہند کی دفعہ ۳۰/۲۹ کی خلاف ورزی ہوگی نیز مدارس اسلامیہ اور پرائیویٹ اسکول پر سوالیہ نشان لگ جائے گا! RTE میں کیندریہ ودیالیہ اور نوادے ودیالیہ کو اس قانون سے باہر رکھا گیا ہے۔ آخر سنٹرل گورنمنٹ نے ان اداروں کو RTE میں کیوں شامل نہیں کیا، یہ بہت بڑا سوال ہے؟ خاص کر مسلمانوں کو اس نکتے پر سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے۔

جب امتحان دیئے بغیر پاس کرنا ہے اور بارہویں کلاس تک ترقی ملتی ہی رہے گی تو پڑھنے، یاد کرنے اور آگے بڑھنے کا جذبہ کس طرح بیدار ہوگا؟ مقابلہ کا مزاج کیسے بنے گا؟ جب اساتذہ یہ بھی پوچھ نہیں سکتے کہ حضور! کل کلاس میں آپ کیوں نہیں آئے تھے؟ آپ نے سبق یاد نہیں کیا، وجہ کیا ہے؟ یا یہ کہ پچھلے ایک ماہ سے آپ نے اسکول آنے کی زحمت گوارہ نہیں کی، کوئی خاص مجبوری تھی، تو پھر تعلیم کیا ہوگی اور شوقین بچوں کا شوق بھی کس طرح جاگتا رہے گا؟ امتحان میں فیل کرنے کا کوئی حق کسی ٹیچر یا اگزامنر کو قانوناً نہیں ہے۔ ایسی صورت حال میں بارہویں جماعت تک پہنچنے والے طلبا کی کیسی لیاقت ہوگی، سمجھا جا سکتا ہے۔

اس لئے میری رائے یہ ہے کہ یہ قانون مدرسہ مخالف، اقلیتی اسکول مخالف اور معیاری تعلیم کے مخالف ہے جو علمی امتیاز اور مقام ہندوستان نے عالمی سطح پر بنایا ہے، یہ قانون اس کے خاتمہ اور ایلیمنٹر ی ایجوکیشن کے دردناک زوال کا ذریعہ ہوگا، اس لئے ہر مسلمان اور ہر ہندوستانی کی ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کے متعلق اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرے اور مرکزی حکومت سے قانون میں مناسب ترمیم کا مطالبہ کرے!

اسی لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اسے ناقابل قبول اور ترمیم وتبدیلی کے قابل قرار دیا ہے، بورڈ کی اپیل ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والے خطرات ومشکلات کے حل کے لئے پورے معاملہ کو خطبات جمعہ، علمائے کرام کی تقریروں، پروگراموں اور آپس کی میٹنگوں کے ذریعہ دوسرے بھائیوں کو آگاہ کیا جائے اور اس قانون کے خلاف مشترکہ آواز بلند کی جائے۔

اوراب ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی (سکریٹری بورڈ، مونگیر)

انکم ٹیکس کے قانون میں تبدیلی لائی جارہی ہے، اوروزارت خزانہ حکومت ہند نے ایک مفصل مسودہ قانون مرتب کیا ہے، جو انکم ٹیکس کے موجودہ قانون کی جگہ ملک میں نافذ کیا جائیگا۔ اس مسودہ قانون کو واقفیت اور رائے عامہ جاننے کیلئے عام کردیا گیا ہے، مرکزی حکومت کا اعلان تھا کہ یکم ر اپریل ۲۰۱۲ء سے یہ نیا قانون نافذ ہو جائیگا، اوراس سے قبل قبل قانون سازی کے سارے مرحلے پورے کرلئے جائینگے ـــــ اندازہ ہے کہ اب اسے قانونی شکل دینے اور نافذ کرنے میں کچھ دیر لگے گی، وجہ یہ ہے کہ حکومت کا مرتب کیا ہوا یہ قانون ابھی پارلیمنٹ کی اسٹینڈنگ کمیٹی (فینانس) میں زیرغور ہے، کمیٹی ایک بار اپنی سفارشات پیش کریگی، تب انہیں قطعی شکل دیجائیگی۔ اور پارلیمنٹ میں منظوری کیلئے پیش کیا جائیگا۔

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں اس مسودہ قانون پر بحث ہوگی، تب کہیں نافذ کئے جانیوالے قانون کی پوری شکل وصورت نکھر کر سامنے آئیگی، اور دونوں ایوانوں سے منظوری کے بعد صدر جمہوریہ کی مہر توثیق لگے گی۔ اور موجودہ انکم ٹیکس قانون کی جگہ نیا قانون، ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ، ملک میں نافذ کیا جائیگا ـــــ عام طور پر مالیات کے قانون میں پارلیمنٹ میں ترمیم نہیں ہوتی، سمجھا جاتا ہے کہ افسروں، ماہرین قانون اور خود پارلیمنٹ کی کمیٹی نے سارے گوشوں پر نگاہ ڈال لی ہے اور گہرے غور وفکر کے بعد اسے آخری شکل دی گئی ہے، اسلئے جو مالی مسودہ قانون (بل) حکومت پارلیمنٹ میں پیش کرتی ہے۔ وہ کسی فرق اور تبدیلی کے بغیر منظور کرلیا جاتا ہے، اور وہی نافذ ہوتا ہے ـــــ

مگر ۱۹۸۴ء میں جب انکم ٹیکس کے قانون میں ترمیم ہوئی تھی، اور مذہبی اداروں کی آمدنی پر لازمی سود کے ملنے کی راہ نکالی گئی تھی، ساتھ ہی مذہبی اداروں کی آمدنی پر ٹیکس لگانے کا بھی فیصلہ کیا گیا تھا، تو آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے اس تجویز کو غلط قرار دیا تھا، اوراس کے خلاف بروقت بھرپور جدوجہد کی تھی۔ اس زمانہ میں بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کئی قسطوں میں ہفتوں دلی میں مقیم رہے، بورڈ کے قائدین بالخصوص حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحبؒ اور محترم جناب ڈاکٹر یوسف نجم الدین صاحبؒ، اور دوسرے ذمہ دار اسکے لئے فکرمند اور مستعد رہے، آخر کار انکم ٹیکس کے مجوزہ قانون میں کئی بنیادی تبدیلیاں کی گئیں ـــــ اور مذہبی اداروں پر لازمی سود اور انکم ٹیکس کے نفاذ کی راہوں کو حکومت ہند نے بند کردیا۔

اب پھر انکم ٹیکس کے نئے قانون کی آمد آمد ہے، ساتھ ہی فکرمندوں میں دو دوسرے قوانین کا بھی تذکرہ رہا ہے، سنٹرل وقف ایکٹ کا، بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کے حق RTE کا، جسمیں اب انکم ٹیکس سے متعلق قانون کا اضافہ ہو چکا ہے ـــــ وقف قانون جیسا کچھ لوک سبھا سے منظور ہو کر راجیہ سبھا سے منظور ہونیوالا تھا، اسمیں وقف کے لئے زیادہ بہتر انتظامات اور قانونی تحفظات نہیں تھے، مسلم پرسنل لابورڈ اور ملی جماعتوں اور شخصیتوں کی کاوشوں کے نتیجہ میں اب یہ بل راجیہ سبھا کی سلیکٹ کمیٹی میں زیرغور ہے، اور کمیٹی کے سامنے دوبار مسلم پرسنل لابورڈ کے نمائندے اپنا نقطہ نظر تحریری اور زبانی طور پر پیش کر چکے ہیں، امید ہے کہ کوئی مؤثر اور زیادہ نفع بخش قانون بن سکے گا، جو اوقاف کی حفاظت، وقفی جائداد پر غلط قبضہ کے خاتمہ، اور اوقاف کی ترقی کا ذریعہ بنے گا!

دوسرا قانون RTE (بچوں کے مفت اور لازمی حصول تعلیم کا حق) ہے۔ کہا جاتا ہے، یہ بڑا انقلابی قانون ہے، میری بہت سوچی سمجھی

رائے ہے کہ یہ قانون ملک میں تعلیم کے معیار کو نیچے لے جائیگا، اور طلبہ کی بہت بڑی کھیپ بے صلاحیت ڈگری یافتہ ہوتی چلی جائیگی، اسکے علاوہ RTE کے مکمل نفاذ کے بعد نہ مدارس کو زندہ رکھا جا سکتا ہے، اور نہ دستور ہند میں اقلیتوں کو تعلیمی اداروں کے بنانے اور چلانے کے بنیادی حق (دفعہ ۳۰) سے عملاً فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، یہ RTE ایسا قانون ہے جسکے کانٹوں میں الجھ کر ہماری نئی نسل رہ جائیگی اور اقلیتیں خاص طور پر مسلمان ''قانون خوردہ'' ہو کر کراہتے رہ جائینگے! اور عملاً بنیادی حق کی دفعہ ۳۰ بے معنی ہو کر رہ جائیگی۔

انکم ٹیکس کا زیر غور قانون (ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ) بھی مذہبی اور رفاہی اداروں کیلئے بڑا پریشان کن ہے، اگر یہ مسودہ قانون (ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ) موجودہ شکل میں پارلیمنٹ سے پاس ہو گیا، تو غیر تجارتی تعلیمی اداروں کیلئے نقصان دہ ہو سکتا ہے اور ہر طرز کے رضا کار ادارے، مذہبی تعلیمی ادارے اور عبادت گاہیں بھی اس کی زد میں آ سکتی ہیں ـــــ اس مسودہ قانون میں عوامی مذہبی Public Religious اداروں پر ٹیکس نہیں لگانے کی دفعہ موجود ہے، شاید اسی دفعہ کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ مسجدوں پر ٹیکس نہیں لگے گا، یہ سمجھ لینا بڑی بھول ہوگی کہ مسجد، مندر، چرچ، گرودوارہ اور آتشکدہ ''عوامی مذہبی ادارے'' ہیں۔ اسلئے ان پر اور ان کی آمدنی پر انکم ٹیکس نہیں لگے گا ـــ بیشک مسجد، مندر اور ساری عبادتگاہیں عوامی مذہبی ادارے ہیں مگر ہمیں اپنے اندازے سے قانون کی تشریح نہیں کرنی چاہئے، قانون کی وہی تشریح معتبر ہوگی جسکی وضاحت قانون میں موجود ہے، اور اس وضاحت کو سامنے رکھئے تو مندر مسجد، چرچ، گرودوارہ اور آتشکدہ سب پر انکم ٹیکس کی ادائیگی ضروری ہوگی، ساتھ ہی مدارس، یتیم خانے، اور رفاہی تعلیمی اور دینی ادارے، سب پر ٹیکس لگے گا۔

بلاشبہ اس زیر غور قانون کی اگر موجودہ شکل وصورت برقرار رہی، تو مندر، مسجد، چرچ، گرودوارہ اور آتشکدہ سب ہی اسکی زد میں آ سکتے ہیں، مگر مسلمانوں کو اسلئے زیادہ فکر ہونی چاہئے، کہ برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر ـــ ہمیں ستایا جاتا رہا ہے، کبھی اقتدار کا غلط استعمال کر کے، کبھی قانون کا سہارا لیکر، اور کبھی لا قانونیت کے ڈنڈے سے! اسلئے ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ کا مطالعہ کرنا چاہئے، اس کو سمجھنا چاہئے، اور اظہار رائے کی صلاحیت کا استعمال کرنا چاہئے۔ کسی غلط فہمی اور خوش فہمی میں آئے بغیر زندگی کا ثبوت دینا چاہئے، واقعہ یہ ہے کہ مشکل نئی قانون سازی کی وجہ سے بڑھ رہی ہے جسکا نقصان ہر مذہبی اکائی کو ہو سکتا ہے۔ اسلئے ممکنہ زخم رسیدہ مذہبی اکائیوں سے تعاون لیا جائے، تو مشکل آسان ہوگی۔ انشاءاللہ

یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ مسجدیں عوامی مذہبی ادارے public religious institution ہیں، اور غیر نفع بخش ادارہ non-profit organization کے زمرہ میں تو ہیں ہی ـــ عام حالات، بول چال کی زبان اور واقعہ کے لحاظ سے یقیناً مسجدیں عوامی مذہبی اور غیر نفع بخش ادارے ہیں، نہ وہ تجارت کیلئے بنائی جاتی ہیں- نہ ان سے مالی منفعت وابستہ ہوتا ہے، اور نہ مالی منفعت کا تصور کیا جا سکتا ہے، مگر یہ ''عام سمجھ'' ہے، قانون کے دائرہ کی جب بات ہوگی، تو قانون کے الفاظ ہی کام کرینگے، ''عام سمجھ'' نہیں ـــــ ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ کا معاملہ بھی یہی ہے، اس قانون میں جو کچھ لکھا ہے، وہی لاگو ہوگا، ہماری اپنی سمجھ چاہے اسے پسند کرے یا نہ کرے! اس کوڈ میں بلاشبہ ''غیر نفع بخش اداروں'' کی علیٰحدہ حیثیت ہے، اور اس کوڈ میں ان پر انکم ٹیکس لگانے کی تجویز نہیں ہے، ـــ

اس لئے قانون کے لحاظ سے جائزہ لینا ضروری ہے کہ مسجدیں، امام باڑے، قبرستان، عیدگاہ، مندر، چرچ، گرودوارے، عوامی مذہبی ادارے Public Religious Institution ہیں یا نہیں......؟ یہ زیر غور مسودہ قانون وضاحت کرتا ہے کہ اُن عوامی مذہبی اداروں پر انکم ٹیکس نہیں لگے گا، جو ''غیر نفع بخش'' non-profit organization ہوں ـــــ اور ''غیر نفع بخش'' ادارے کون کون سے ہیں؟ ـــ ایکٹ میں اسکا جواب موجود ہے کہ جو ادارے کسی ایک ''ذات'' یا ''ایک مذہب'' کے ماننے والوں کیلئے ہیں، وہ ''غیر نفع بخش اداروں'' کے زمرہ میں نہیں آتے ـــ یعنی اُن پر انکم ٹیکس لگے گا ـــــ مجوزہ کوڈ کی دفعہ ۱۶۹/۲ میں یہ صراحت تفصیل کے ساتھ لکھی ہے، الفاظ یہ ہیں:

(169) "non-profit organization" means an

organization, by whatever name called, including a trust, if-

دفعہ ۱۶۹ ـــــ لفظ ''نان پرافٹ آرگنائزیشن'' (غیر نفع بخش ادارے) کا مطلب ہے ایسے ادارے، چاہے انکا جو بھی نام ہو، ان ٹرسٹ پر مشتمل ہوں گے جو......

(i) it is not established for the benefit of any particular caste or religious community;

(۱) جو کسی ایک ذات یا کسی ایک مذہب کے ماننے والوں کیلئے نہ بنایا گیا ہو۔

(ii) it does not provide any benefit for the members of anyparticular caste or religious community;

(۲) جو کسی خاص ذات یا خاص مذہب کے ماننے والوں کو خصوصی سہولت نہ دیتے ہوں۔

(iii) it is established for the benefit of the general public or forthe benefit of the Scheduled Castes, the Scheduled Tribes, backward classes, women or children;

(۳) جسے جنرل پبلک کے فائدہ کیلئے بنایا گیا ہو۔ یا پھر شیڈول کاسٹس، شیڈول ٹرائبس، بیک ورڈ کلاسز، عورتوں اور بچوں کو فائدہ پہونچانے کیلئے بنایا گیا ہو۔

(iv) it is established for carrying on charitable activities;

(۴) اسے رفاہی کاموں کیلئے بنایا گیا ہو۔

(v) it is not established for the benefit of any of its members;

(۵) اس ادارہ کو اپنے کسی ممبر کے فائدہ کیلئے نہ بنایا گیا ہو۔

(vi) it actually carries on the charitable activities during the financial year;

(۶) تازہ مالی سال میں رفاہی کاموں کی انجام دہی کرتا ہو۔ (یعنی رواں مالی سال میں ہی اپنی آمدنی کا بہت بڑا خرچ کر دیتا ہو)

(vii) the actual beneficiaries of its activities are the general public, the Scheduled Castes, the ScheduledTribes, backward classes, or women or children; and

(۷) اس ادارہ سے فائدہ اٹھانیوالے عام لوگ، شیڈول کاسٹس، شیڈول ٹرائبس، بیک ورڈ کلاسز، عورتیں اور بچے ہوں۔

ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ کی دفعہ ۱۶۹ سے واضح ہے، اور اس سے ''کسی مخصوص مذہب کے ماننے والوں'' کی عبادت گاہ کو ٹیکس کے زمرہ میں شامل رکھا گیا ہے، اسلئے مسجدوں، عیدگاہوں، قبرستانوں، امام باڑوں، یا مندروں، چرچوں، گرودواروں، آتشکدوں پر بھی انکم ٹیکس لگانے کی پوری گنجائش موجود ہے ـــــ اس کوڈ میں اور بھی کئی دفعات کی تبدیلی ضروری ہے۔

اسی لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اسے نا قابل قبول اور ترمیم وتبدیلی کے قابل قرار دیا ہے، بورڈ کی اپیل ہے کہ مستقبل میں پیش آنیوالے خطرات و مشکلات کے حل کیلئے پورے معاملہ کو خطبات جمعہ، علماء کرام کی تقریروں، پروگراموں اور آپس کی میٹنگوں کے ذریعہ دوسرے بھائیوں کو آگاہ کیا جائے اور اس قانون کے خلاف مشترکہ آواز بلند کیجائے، ساتھ ہی ملک میں آباد دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو بتایا جائے کہ یہ مسئلہ ہر مذہب والے کی مقدسات اور عبادت گاہوں کا ہے، اور انہیں بھی ساتھ لیکر تحریک کو مضبوط کیا جائے ـــــ اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کی مدد فرمائے۔ (آمین)

کم عمری کی شادی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (سکریٹری بورڈ، حیدرآباد)

آج کل پریس کو مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ کسی نئے مسئلہ کی تلاش رہتی ہے، جس کو بغیر کسی مناسب تحقیق اور جانکاری کے خوب پھیلایا جاتا ہے، اور زہرافشانی کی جاتی ہے ان ہی مسائل میں ایک شادی کی عمر کا مسئلہ ہے، ہندوستان میں طویل عرصہ سے یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے، برطانوی عہد میں ۱۹۲۹ء میں شاردا ایکٹ بنا، جس کے خلاف پورے ملک میں مسلمانوں نے آواز اٹھائی، اور جمعیۃ علماء دیوبند کے زیر اہتمام ''تحفظ ناموس شریعت'' کے نام سے ملک گیر تحریک چلائی گئی۔

آزادی کے بعد مختلف ریاستوں نے اس طرح کے قانون بنائے ہیں، جن میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے نکاح کی کم سے کم عمر ۱۸؍ سال مقرر کی گئی ہے، اس وقت اسی نوعیت کا ایک مقدمہ سپریم کورٹ میں چل رہا ہے، جس میں ۱۷؍سال کی عمر میں ایک لڑکی کی شادی ہوئی ہے، یہ مسئلہ چوں کہ مسلم پرسنل لا سے بھی متعلق ہے، اس لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس میں فریق بننے کی درخواست کی ہے۔

جو لوگ شادی کے لئے ایک مخصوص عمر متعین کرنا چاہتے ہیں ان کا خیال ہے کہ کم عمری کی شادی لڑکیوں کی صحت کے لئے نقصان دہ ہے، کہ جسمانی نشو ونما کی تکمیل اور تولید کی مناسب صلاحیت پیدا ہونے سے پہلے ہی ان کو ماں بننا پڑتا ہے، جس سے ان کی صحت پر منفی اثر پڑتا ہے، اس سلسلہ میں کئی باتیں قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ جسمانی نشو ونما تمام لڑکوں اور لڑکیوں میں یکساں طور پر نہیں ہوتا، موسمی حالات، غذا، ماحول اور موروثی اثرات کے تحت بلوغ کی عمر مختلف ہوتی ہے، اور جسمانی قویٰ اور تولید کی صلاحیت میں بھی فرق ہوتا ہے، نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۸؍سال سے کم عمر کی ہر لڑکی کے لئے ماں بننا نقصان دہ ہے، اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۸؍سال کے بعد لڑکیوں میں لامحالہ ایسی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ماں بننا ان کی صحت کے لئے مضرت رساں نہ ہو، اس لئے ۱۸؍سال ہی کی تعیین قابل فہم نہیں، قانون فطرت کے تحت عورت کی اس صلاحیت کا اصل معیار وہی ہے کہ جب وہ بالغ ہو جاتی ہے تو اس میں بنیادی طور پر حاملہ ہونے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

دوسرا قابل غور پہلو یہ ہے کہ اس وقت ٹی وی کے فروغ، فحش رسائل کی کثرت، انٹرنیٹ اور بیہودہ فلموں کے ویڈیو اور ان فلموں تک کم عمر لڑکوں کی رسائی کی وجہ سے صورت حال یہ ہے کہ نابالغ بچے تک جنسی بے راہ روی میں مبتلا ہو رہے ہیں، شادی سے پہلے ناجائز اسقاط حمل کی کثرت ہوگئی ہے، سوال یہ ہے کہ کم عمری کا نکاح زیادہ نقصان دہ ہے یا کم عمری کے جنسی تجربات؟ یقیناً بے قید جنس پرستی زیادہ مضر ہے، تو اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ماں باپ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق و کردار کی حفاظت کے لئے بلوغ کے بعد جلد سے جلد ان کا نکاح کر دینا مناسب سمجھتے ہوں تو کیا یہ بات مناسب نہیں ہوگی کہ انہیں اس عمر سے پہلے ہی نکاح کی اجازت دی جائے؟ تاکہ وہ اپنے بچوں کو فساد اور بگاڑ کے گڑھے میں جانے سے بچا سکیں، اصل مسئلہ Child Marriage کا نہیں، بلکہ Child Sex کا ہے، حکومت کو اور سماجی تنظیموں کو چاہئے کہ یہ جو بے راہ روی کا طوفان ملک میں آرہا ہے، اور ہماری تعلیم گاہوں کو اپنا ہدف بنا رہا ہے، پہلے اس کے سدباب کی کوشش کریں۔

تیسری بات یہ ہے کہ کم سنی کے نکاح کے واقعات اب خود ہی کم ہوتے جا رہے ہیں، چودہ پندرہ سال کی عمر میں تو لڑکے اور لڑکیاں میٹرک کرتے ہیں، اب لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں میں بھی اعلیٰ تعلیم کا رجحان روز افزوں ہے، اور تعلیم کے درمیان عام طور پر شادی نہیں کی جاتی، لڑکوں کے لئے تو تعلیم کے بعد حصول روزگار کا بھی مسئلہ ہے، اس لئے اس تلاش روزگار میں کئی سال نکل جاتے ہیں، اور اس کے بعد ہی لڑکے شادی کی طرف راغب ہوتے ہیں، اس طرح قانون میں جو عمر متعین کی گئی ہے، عام طور پر اس سے کہیں زیادہ عمر میں لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں، جوں جوں تعلیم بڑھتی جائے گی خود ہی کم سنی میں نکاح کا رجحان کم ہوتا جائے گا، اور جب تک تعلیم عام نہ ہوگی

صرف قانون کے ذریعہ اس مقصد کو حاصل نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ ایسی شادی کے واقعات شہر میں بہت کم پیش آتے ہیں، زیادہ تر دور دراز دیہاتوں میں اس طرح کا رواج پایا جاتا ہے، اور اس کی نوبت بہت کم آتی ہے کہ وہ معاملات عدالت کے سامنے آئیں اس لئے وہ قانون کے دائرہ سے باہر ہی رہتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے فریق بننے کی وجہ سے اسے مسلم مسئلہ کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے، حالاں کہ کم سنی کی شادی کے واقعات مسلمانوں میں بہت کم ہیں، خود ہندوؤں میں ان سے کہیں زیادہ ہیں، راجستھان میں اب بھی اکھا تیج کے موقع پر ہزاروں شیرخوار لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے، راجستھان، مدھیہ پردیش، اڑیسہ اور ہریانہ وغیرہ کے بعض علاقوں میں ہندو سماج میں بہت ہی کم سنی میں نکاح کا رواج پایا جاتا ہے اور اس کا تناسب مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے، اصل مسئلہ ان رواجات کو روکنا ہے، بالخصوص اس پس منظر میں کہ ہندو معاشرہ میں نکاح کے معاملہ میں لڑکی کی رضا مندی اور ناراضگی کو بہت کم اہمیت دی جاتی ہے، اور ان پر رشتے تھوپ دیئے جاتے ہیں، خاص کر کم عمری میں کئے گئے نکاح میں، ظاہر ہے کہ اصل عاقدین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، اسلام میں اکثر حالات میں نابالغی کے نکاح کی صورت میں بالغ ہونے کے بعد لڑکے کو خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے، اور وہ اس نکاح کو رد کر سکتا ہے۔

ہندو معاشرہ میں نکاح کے سلسلہ میں اور بھی قابل اصلاح رسوم ہیں، آج بھی ستی کے واقعات سننے کو ملتے ہیں، آج بھی ہزاروں خواتین بھگوان کی مورتیوں سے بیاہ دی جاتی ہیں، اور بھگوان کی آڑ میں سنت اور مہنت ان کو اپنی ہوس کا سامان بنائے رہتے ہیں، بلکہ بعض قبائل اور علاقوں میں چند شوہری کے واقعات بھی ملتے ہیں، اصل میں ایسی سماجی برائیوں کی اصلاح کی طرف ذرائع ابلاغ کو متوجہ ہونا چاہئے کہ یہ زیادہ قابل اصلاح ہیں۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے، ایسا نہیں ہے کہ اسلام میں کم سنی اور نابالغی کے نکاح کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا ہے، مسلم معاشرہ میں ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کے بالغ ہونے کے بعد ہی ان کا نکاح کیا جاتا ہے، خود قرآن مجید نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ یتیموں کو آزماؤ، جب وہ نکاح کو پہنچ جائیں، اور تم ان سے ہوش مندی محسوس کرو تو ان کا مال ان کے حوالہ کر دو، وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ، فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (النساء:٦) نکاح کو پہنچنے سے مراد بالغ ہونا ہے، چنانچہ امام ابو بکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں، **هو بلوغ حال النكاح من الاحتلام** (احکام القرآن: ۲/۶۳) اور مشہور مفسر علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: **أى صاروا محلاله بالاحتلام**، (جلالین: ۷۰) یعنی نکاح کو پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ وہ احتلام کی وجہ سے نکاح کا اہل ہو جائے۔

ان آیات سے واضح ہے کہ بہتر طریقہ یہی ہے کہ بالغ ہونے کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاح کئے جائیں، پھر اسلام میں رشتہ کے انتخاب کی جو آزادی عاقدین کو دی گئی ہے، اور اس سلسلہ میں لڑکوں کی طرح لڑکیوں کو بھی اپنی ذات کے بارے میں فیصلہ کرنے کا جو اختیار دیا گیا ہے، اس کا تقاضا بھی یہی ہے، کیوں کہ بالغ ہونے کے بعد ہی وہ قانوناً اس اختیار کو استعمال کرنے کے اہل ہوں گے اور اس عمر کو پہنچنے کے بعد ہی انسان کے اندر بھلے اور بُرے کی تمیز بھی پیدا ہوتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے بالغ ہونے سے پہلے بھی نکاح کی گنجائش رکھی ہے، اور مختلف صحابہ نے کم عمری میں بچوں کے نکاح کئے ہیں، حضرت قدامہ بن مظعونؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے نابالغی کی عمر میں بچوں اور بچیوں کا نکاح کرنا یا نابالغی کے نکاح کے جائز ہونے کی صورت منقول ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا تو وہ نابالغ تھیں، اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی چچازاد بہن حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کا نکاح حضرت عمر بن ابی سلمہؓ سے اس وقت کیا جب وہ نابالغہ تھیں، چنانچہ ابن شبرمہؒ اور ابن اصمؒ کے علاوہ تمام محدثین، اور فقہاء نکاح نابالغاں کے جواز کے قائل رہے ہیں، اس لئے یہ فقہاء اسلام کے درمیان ایک اجماعی مسئلہ ہے، مشہور حنفی فقیہ علامہ سرخسیؒ نے اس سلسلہ میں تفصیل سے صحابہ کے آثار اور فقہاء کے اقوال ذکر کئے ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: مبسوط: ۱۴/۱۲-۱۴)۔

یہ اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ بعض دفعہ مصلحت کا تقاضا یہی ہوتا ہے، ان میں دو مصلحتیں تو بہت ہی بنیادی ہیں، ایک یہ کہ بعض اوقات اخلاقی بگاڑ کا اندیشہ ہوتا ہے، نکاح کی وجہ سے ایک جائز راہ کھل جاتی ہے، اور یہ بات اسے ناجائز رُخ پر جانے سے بچاتی ہے، اگر ایسے حالات سامنے ہوں اور ۱۸/سال تک نکاح کو روکے رکھا جائے تو **(بقیہ صفحہ ۹/ پر)**

کارروائی اجلاس مجلس عاملہ بورڈ نئی دہلی

مرتب: رضوان احمد ندوی

۲۶/نومبر ۲۰۱۱ء کو بورڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس زیر صدارت صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب بمقام نیو ہورائزن اسکول حضرت نظام الدین نئی دہلی میں منعقد ہوا جسمیں درج ذیل اراکین عاملہ و مدعوئین کرام نے شرکت فرمائی:

اراکین عاملہ

۱۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر بورڈ — لکھنؤ
۲۔ مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نائب صدر بورڈ — دیوبند
۳۔ مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری بورڈ — پٹنہ
۴۔ جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ — حیدرآباد
۵۔ مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب سکریٹری بورڈ — مونگیر
۶۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب سکریٹری بورڈ — حیدرآباد
۷۔ جناب پروفیسر ریاض عمر صاحب خازن بورڈ — دہلی
۸۔ مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب — دہلی
۹۔ ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس صاحب — دہلی
۱۰۔ مولانا احمد علی قاسمی صاحب — دہلی
۱۱۔ مولانا اسرار الحق قاسمی صاحب — دہلی
۱۲۔ جناب کمال فاروقی صاحب — دہلی
۱۳۔ مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب — لکھنؤ
۱۴۔ مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب — لکھنؤ
۱۵۔ مولانا عتیق احمد بستوی صاحب — لکھنؤ
۱۶۔ جناب ظفریاب جیلانی صاحب (ایڈووکیٹ) — لکھنؤ
۱۷۔ مولانا خالد رشید فرنگی محلی صاحب — لکھنؤ
۱۸۔ محترمہ ڈاکٹر صفیہ نسیم صاحبہ — لکھنؤ
۱۹۔ مولانا سید ارشد مدنی صاحب — دیوبند
۲۰۔ حکیم مولانا محمد عبداللہ مغیثی صاحب — میرٹھ
۲۱۔ پروفیسر سعود عالم قاسمی صاحب — علی گڑھ
۲۲۔ جناب یوسف حاتم مچھالا صاحب ایڈوکیٹ — ممبئی
۲۳۔ محترمہ پروفیسر مونسہ بشریٰ عابدی صاحبہ — ممبئی
۲۴۔ ڈاکٹر سید شاہ خسرو حسینی صاحب — گلبرگہ
۲۵۔ مولانا حکیم محمد عرفان حسینی صاحب — کولکاتہ
۲۶۔ مولانا فضل الرحیم مجددی صاحب — جے پور
۲۷۔ ڈاکٹر یسین علی عثمانی صاحب — بدایوں
۲۸۔ جناب ملک محمد ہاشم صاحب — چنئی
۲۹۔ مولانا عبدالشکور قاسمی صاحب — کیرالا
۳۰۔ مولانا عبدالعلیم بھٹکلی صاحب — بھٹکل
۳۱۔ ڈاکٹر اسماء زہرا صاحبہ — حیدرآباد

مدعوئین کرام

۱۔ مولانا محمد رفیق قاسمی صاحب — دہلی
۲۔ جناب محمد احمد صاحب — دہلی
۳۔ محترمہ ممدوحہ ماجد صاحبہ — دہلی
۴۔ محترمہ حافظہ میمونہ ثروت صاحبہ — دہلی
۵۔ مولانا مفتی احمد دیولا صاحب — گجرات
۶۔ جناب ایس۔ ایم خلیل الرحمٰن صاحب — بھٹکل
۷۔ جناب ای ابوبکر صاحب — کوزی کوڈ
۸۔ مولانا آس محمد گلزار قاسمی صاحب — میرٹھ
۹۔ مولانا محمد واضح رشید ندوی صاحب — لکھنؤ
۱۰۔ جناب شاہد حسین صاحب (ندوہ) — لکھنؤ
۱۱۔ ڈاکٹر رخسانہ نکہت لاری صاحبہ — لکھنؤ

۱۲۔ جناب ہارون بھائی موزہ والا صاحب	ممبئی
۱۳۔ پروفیسر ابراہیم خلیل عابدی صاحب	ممبئی
۱۴۔ جناب انجم علی باپے صاحب	ممبئی
۱۵۔ مولانا محفوظ الرحمٰن فاروقی صاحب	اورنگ آباد

تعزیت:

اجلاس کا آغاز قاری محفوظ الرحمٰن فاروقی صاحب کی تلاوت کلام سے ہوا۔

اس کے بعد اجلاس نے مرحوم ارکان بورڈ مولانا ابوطیب میاں فرنگی محلی (لکھنؤ) اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی (علی گڑھ) کے سانحہ ارتحال پر تعزیت کا اظہار کیا اسی طرح مولانا شاہد روح اللہ رحمانی مونگیر، مولانا ریاض الرحمٰن رشادی بنگلور، مفتی عبدالعزیز صاحب رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند، جناب موجی خاں صاحب دہلی، تحسین عثمانی صاحب برادر جناب ڈاکٹر یٰسین علی عثمانی صاحب رکن بورڈ اور مولانا محفوظ الرحمٰن فاروقی صاحب رکن بورڈ کی والدہ محترمہ کے انتقال کے تعلق سے تجویز تعزیت منظور کی گئی۔ حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری بورڈ نے مرحومین کے لئے مغفرت اوران کے پسماندگان کیلئے صبر جمیل کی توفیق کی دعاء فرمائی۔

ڈائریکٹ ٹیکسیس کوڈ بل:

جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ نے اجلاس کو ڈائریکٹ ٹیکسیس کوڈ بل کے بارے میں بتلایا کہ یہ قانون منظور ہونے پر یکم راپریل ۲۰۱۲ء سے نافذ ہوگا اور یہ موجودہ انکم ٹیکس کی جگہ لے گا، اسمیں مذہبی اداروں اور خیراتی اداروں کو انکم ٹیکس اور ویلتھ ٹیکس سے چھوٹ نہیں دی گئی ہے، انکم ٹیکس اور ویلتھ ٹیکس میں چھوٹ کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ مذہبی ادارہ یا ٹرسٹ None Profit ہو اور None Profit Organisation کی تعریف اس کوڈ میں متعین کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ مذہبی ادارہ یا ٹرسٹ کسی ایک مذہبی فرقے کا قائم کردہ نہ ہو اور اس سے استفادہ کنندگان کسی خاص مذہبی فرقے کے افراد نہ ہوں ـــــ اس تعریف کے لحاظ سے مذہبی عباتگاہیں جیسے مسجد، مندر، چرچ گرودوارہ مذہبی تعلیمی ادارے اور یتیم خانے انکم ٹیکس اور ویلتھ ٹیکس چھوٹ سے جواب تک انہیں حاصل ہے محروم ہو جائیں گے اوران مذہبی عبادتگاہوں کو یہ ٹیکس ادا کرنے ہوں گے۔

وزرات فائنانس کے عہدیداروں کا ذہن یہ رہا ہے کہ مذہبی عبادت گاہوں اور مذہبی اداروں پر ٹیکس عائد کیا جائے چنانچہ ۱۹۸۱ء میں جبکہ مسٹر آر وینکٹ رمن (جو بعد میں صدر یہ جمہوریہ بھی ہوئے) فائنانس منسٹر تھے یہ قانون بنانے کی کوشش کی گئی تھی کہ مذہبی عبادت گاہیں اپنی غیر منقولہ جائیداد فروخت کر کے اس سے حاصل ہونے والی رقم حکومت کی تمسکات لگائیں یا بینک میں فکسڈ ڈپوزٹ کریں اس کوشش کے خلاف بورڈ نے آواز اٹھائی تھی اوراس کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے اعتراضات کی معقولیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس قانون سازی کو رکوا دیا۔ اب یہی وزرات ڈائریکٹ ٹیکسیس کے ذریعہ مذہبی عبادتگاہوں اور مذہبی اداروں کو نقصان پہونچانے کے درپہ ہے جس کے خلاف ہم کو اور ملک کے تمام مذہبی لوگوں کو سخت احتجاج کرنا چاہئے ـــــ جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے بتایا کہ اس ایکٹ کے خلاف احمد آباد، کلکتہ اور ممبئی میں اجتماعات ہو چکے ہیں جن میں دیگر مذاہب کے پیشواؤں اور لیڈران نے شرکت کی، ہماری تحریک پر بنگلور میں ۱۰راکتوبر ۲۰۱۱ء کو اور چنئی میں ۱۰رنومبر ۲۰۱۱ء کو اس کوڈ بل کے خلاف پریس کانفرنس اور مختلف مذاہب کے نمائندوں پر مشتمل اجتماعات کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئے۔

اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے جناب یوسف حاتم مچھالہ صاحب ایڈوکیٹ نے کہا کہ موجودہ انکم ٹیکس ایکٹ کے تحت یکم راپریل ۱۹۶۲ء سے پہلے جو خیراتی ادارے یا ٹرسٹ قائم ہوئے ہوں ان کو انکم ٹیکس کی چھوٹ کی سہولت حاصل رہی ہے، چاہے ان کا تعلق کسی ایک مذہبی فرقے سے ہی کیوں نہ ہو البتہ اس تاریخ کے بعد قائم ہونے والے ایسے اداروں کو انکم ٹیکس کی چھوٹ کے لئے یہ شرط لگائی گئی کہ اس سے استفادہ کنندگان صرف ایک مذہبی فرقے سے تعلق رکھنے والے نہ ہوں اور عملاً یہ ہوتا رہا ہے کہ ایسے ادارے اور ٹرسٹ یہ کام اپنے ہی مذہبی فرقے کے لئے کرتے رہیں ایک دو دیگر افراد کو بھی استفادہ کا موقع دیا گیا لیکن اب کوڈ بل کے تحت سرکاری عہدیداروں کو اس بات کا اختیار دیا جارہا ہے کہ وہ اس پر نظر رکھے کہ خیراتی اداروں سے مستفیض ہونے والوں میں سبھی مذہبی گروہوں کے افراد شامل

ہوں اس شرط کے نتیجہ میں خیراتی اداروں اور ٹرسٹ کے قائم کرنے میں لوگوں کی دلچسپی ختم ہوجائے گی کیونکہ ان کے قیام کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اپنے طبقہ یا فرقے کے افراد کو فائدہ پہونچایا جائے اس طرح مذہبی اداروں کو ٹیکس سے چھوٹ کے لئے NPO کی جو شرط لگائی گئی ہے اسکی وجہ سے تمام مذاہب کی عبادتگاہوں اور مذہبی اداروں پر ٹیکس عائد ہوگا اور اسکی شرط 30% ہوگی۔ جناب یوسف حاتم مچھالا صاحب نے بتایا کہ ممبئی میں مختلف فرقہ کے لوگوں کا اجتماع منعقد کیا گیا اور اس اجتماع نے اس کوڈ بل کی مخالفت کی اس میں پارسی فرقے کے نمائندے نے اس نقطہ نظر کا اظہار کیا کہ اس کوڈ بل میں مذہبی عبادتگاہوں اور مذہبی اداروں پر ٹیکس لگانے کی گنجائش بلاارادہ یا سہواً نہیں آگئی ہے بلکہ یہ عمداً اور بالارادہ کیا گیا ہے اور حکومت سوچتی ہے کہ مذہبی اداروں کو انکم ٹیکس سے چھوٹ کیوں دی جائے اس غلطی کو درست کرنے کے لئے حکومت پر دباؤ بنانا پڑے گا اور اس کے لئے ضروری ہے کہ بورڈ مہم کو منظم کرے۔ جناب کمال فاروقی صاحب نے کہا کہ مسئلہ بہت اہم ہے اس کے خلاف پرزور مہم چلانے کی ضرورت ہے دوسرے مذاہب کے لوگوں میں حساسیت کم ہے اسلئے اگر ہم دوسرے مذاہب کے لوگوں کی طرف سے پہل کے انتظار میں رہیں گے تو نقصان ہوگا اسلئے ہم کو مہم چلانا پڑے گا اور کوشش ہم کو کرنی چاہئے کہ دوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر چلیں۔مولانا سلمان حسینی ندوی نے کہا کہ وہ اس کوڈ بل کے خلاف تحریک کی حمایت کرتے ہیں لیکن یہ تحریک مشترکہ پلیٹ فارم سے چلائی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ جناب ملک محمد ہاشم صاحب نے ڈائریکٹ ٹیکسیس کے خلاف چنئی میں جو پروگرام ہوا اس کی تفصیل پیش کی اور بتایا کہ یہ پروگرام Minority Form کے تحت رکھا گیا تھا جسمیں 132 اداروں کے نمائندگان نے شرکت کی اس میں 112 ادارے دوسرے مذاہب کے تھے اس میں بھی تحریک چلانے کا فیصلہ کیا گیا ہے اور تامل ناڈو کے ارکان پارلیمنٹ سے مل کر ان کو تائید میں لینے کی کوشش کی جائیگی۔

مولانا خالد رشید فرنگی محلی نے کہا کہ یوپی میں اس مہم کو چلانے پر خاص توجہ دی جائے تو اس سے جلد نتائج برآمد ہوں گے، محترمہ صفیہ نسیم صاحبہ اور جناب ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب نے بھی اظہار خیال کیا۔

وقف بل:

وقف بل ۲۰۱۰ء کے بارے میں جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے اجلاس کو بتایا کہ ایک غلط فہمی یہ ہے کہ یہ بل موجودہ قانون وقف میں ترمیم کرتا ہے حقیقۃً یہ بل ایک نئے قانون وقف کی بنیاد رکھتا ہے جس کے ذریعہ وقف بورڈ کا مسلم کردار ختم ہوجائے گا۔اس بل کو مئی ۲۰۰۹ء میں لوک سبھا کے اجلاس کے بالکل آخری دن منظور کروانے اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے وفد سے ملاقات میں اس کی اکثر تجاویز سے اتفاق ظاہر کرنے کے باوجود وفد کے مطالبات کو خواہشات قرار دے کر بورڈ کی تحقیر کرنے کی وزیر اقلیتی امور جناب سلمان خورشید صاحب کی کوششوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس بل میں بہت سی خامیاں ہیں اور ابھی یہ بل راجیہ سبھا کی تشکیل کردہ سلیکٹ کمیٹی میں زیر غور ہے جس کے صدر جناب سیف الدین سوز صاحب ہیں، اس کمیٹی نے بورڈ کے وفد کو اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کے لئے ۳؍اکتوبر ۲۰۱۱ء کو بلایا تھا جسمیں سلیکٹ کمیٹی کے رکن جناب پرویز ہاشمی صاحب نے بتایا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی پیش کردہ تجاویز میں سے 90% کو سلیکٹ کمیٹی نے قبول کرلیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ کونسی تجاویز ہیں؟ بورڈ کے وفد نے اس کمیٹی کے سامنے اپنے نقطہ نظر کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا، لیکن تاحال اس کمیٹی کی رپورٹ مرتب نہیں ہوئی ہے اور یہ بات اسلئے تشویشناک ہے کہ پارلیمنٹ کے اس سرمائی اجلاس میں یہ بل زیر غور نہیں آئے گا اسلئے جو تحریک بورڈ کی جانب سے چلے گی اس میں وقف بل ۲۰۱۰ء کو بھی شامل کرنا ضروری ہے،مولانا سلمان حسینی ندوی صاحب نے کہا کہ یہ بل ناقص ہی نہیں بلکہ ایک سازش کے تحت لایا گیا ہے۔

رائٹ ٹو ایجوکیشن ایکٹ:

رائٹ ٹو ایجوکیشن ایکٹ کے تعلق سے جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے بتایا کہ اس قانون میں ۶؍تا ۱۴؍سال کی عمر کے لڑکے یا لڑکی کا یہ بنیادی حق قرار دیا گیا ہے کہ وہ سرکاری نصاب کے مطابق پہلی سے آٹھویں کلاس کی تعلیم حاصل کرے اور اس بنیادی حق کو فراہم کرنے کی ذمہ داری مرکزی حکومت، ریاستی حکومتوں، مقامی حکومتی اداروں، والدین اور سرپرستوں پر عائد کرتے ہوئے ان کا فرض قرار دیا گیا ہے، نیز حکومت کے

قائم کردہ یا حکومت کی اجازت سے قائم اسکول کے علاوہ کسی تعلیمی ادارے کے قیام کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اس لحاظ سے دینی مدارس اپنے طلبہ کو بنیادی حقوق فراہم نہ کرنے کے قصوروار ہیں اور اس طرح سے ان کے والدین اور سرپرست بھی اپنا فرض انجام نہ دینے کے مجرم ہیں، علاوہ ازیں اس قانون میں اقلیتوں کے زیر اہتمام اسکولوں کے لئے کوئی الگ زمرہ نہیں بنایا گیا ہے اور اس طرح یہ خواندگی اسکول کی تعریف میں آئیں گے، خواندگی اسکول کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ اطراف و اکناف کے 25% طلبہ کو داخلہ دے اور کوئی فیس نہ لے اور اس کے انتظامیہ میں 75% نمائندگی طلبہ کے والدین اور سرپرستوں کی ہو اور 50% تعداد خواتین کی ہو اس کے بعد ظاہر ہے کہ اس اسکول کا انتظام قائم کرنے والی اقلیتی سوسائٹی یا ادارے کے ہاتھ سے نکل جائے گا یہ دونوں امور بڑے تشویشناک ہیں۔ متعلقہ وزیر جناب کپل سبل صاحب نے ان اعتراضات کو تسلیم کرتے ہوئے جولائی ۲۰۱۰ء میں ایک اجتماع میں جس کا انتظام کرنے والوں میں جناب کمال فاروقی صاحب بھی شامل تھے یہ اعلان کیا تھا کہ اس قانون میں ترمیم کی جائیگی جس کے ذریعہ دینی تعلیم کے اداروں کو مستثنیٰ قرار دیا جائے گا اور اقلیتی اسکولوں کو جو حقوق دستور کے تحت حاصل ہیں وہ بحال کئے جائیں گے۔ مگر اس عام اعلان کے باوجود بھی آج تک اس قانون میں ترمیم کے لئے کوئی کوشش ان کی وزارت سے نہیں ہوئی، ان کی وزرات نے گائیڈ لائنس جاری کئے جسمیں دستور کے آرٹیکلس کے حوالے غلط دیئے ہیں اور اقلیتی تعلیمی ادارے کے حقوق کے بارے میں متضاد باتیں کہی ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ کپل سبل صاحب جیسے ماہر دستور و قانون کے تحت جو وزرات ہے اس سے ایسے ناقص گائیڈ لائنس جاری ہوتے ہیں، اس ایکٹ کے خلاف بھی مہم کو منظم کرنا ضروری ہے، جناب عبدالوہاب خلجی صاحب نے بھی اظہار خیال کیا۔ جناب ایم ایس خلیل الرحمٰن صاحب (بھٹکل) نے کہا کہ جو مہم چلے گی اس کے لئے میڈیا کا تعاون حاصل کیا جائے اور تشہیر پر توجہ دی جائے اور عوام کو مسائل سے واقف کرایا جائے اور ایسی تحریک چلے جیسی کہ شاہ بانو کیس فیصلہ کے خلاف چلی تھی۔ جناب ظفریاب جیلانی صاحب نے کہا کہ تحریک مشترکہ پلیٹ فارم کے ذریعہ ہو جس میں سبھوں کو شامل کیا جائے۔ R.T.E. کے خلاف عیسائیوں کے الگ الگ جلسے ہو رہے ہیں، ہماری کوشش سب کو ساتھ لے کر چلنے کی ہو اور عوامی سطح سے یہ تحریک چلے۔ جنرل سکریٹری بورڈ حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے فرمایا کہ اس تحریک کو منظم کرنے کے لئے ایک مرکزی ایکشن کمیٹی تشکیل دی جائے اور سکریٹری بورڈ حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب اس کے کنوینر ہوں اور مرکزی کمیٹی صوبائی ایکشن کمیٹیاں بنائے ان کو پروگرام دے اور ان کو اپنی ریاست میں ذمہ دار بنائے۔ مولانا سلمان حسینی ندوی صاحب نے کہا کہ یوپی سے اس تحریک کا آغاز ہو، مولانا عبداللہ مغیثی صاحب نے جنرل سکریٹری کی تجویز کو مناسب قرار دیتے ہوئے مرکزی ایکشن کمیٹی کی تشکیل اور جناب مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کو کنوینر بنانے کی تجویز سے اتفاق کیا، مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب نے کہا کہ مجھ سے جو ہوسکتا ہے کرتا رہوں گا لیکن آج کل صحت اچھی نہیں ہے اسلئے مجھ پر کوئی ذمہ داری نہ ڈالی جائے تو بہتر ہے، اس سلسلہ میں جناب عبدالوہاب خلجی صاحب، مولانا سعود عالم قاسمی صاحب، مولانا ارشد مدنی صاحب، جناب انجم علی باپے صاحب، مولانا عبداللہ مغیثی صاحب، مولانا احمد علی قاسمی صاحب، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اظہار خیال کیا جس کے بعد صدر محترم نے یہ اعلان فرمایا کہ:

آئینی حقوق بچاؤ تحریک:

''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے ڈائریکٹ ٹیکسیس کوڈ بل، وقف بل، رائٹ ٹو ایجوکیشن ایکٹ کے خلاف احتجاج منظم کیا جائے گا اس احتجاجی تحریک کو منظم کرنے اور آگے بڑھانے کے لئے مرکزی ایکشن کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جس کے کنوینر مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب اور جوائنٹ کنوینر ڈاکٹر مولانا سعود عالم قاسمی صاحب ہوں گے۔ ان کے علاوہ اس کمیٹی میں (۱) جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب (۲) مولانا کلب جواد صاحب (۳) مولانا سلمان حسینی صاحب (۴) مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب (۵) حضرت مولانا مفتی محمد مکرم احمد صاحب (۶) مولانا محمد اطہر علی صاحب (۷) جناب ایم اے رشید انجینئر صاحب (۸) جناب ملک محمد ہاشم صاحب (۹) جناب ڈاکٹر یٰسین علی عثمانی صاحب (۱۰) جناب ایس۔ ایم ایس خلیل الرحمٰن صاحب (۱۱) جناب کمال فاروقی

صاحب (۱۲) جناب محمد احمد صاحب (۱۳) محترمہ مونسہ بشریٰ عابدی صاحبہ (۱۴) محترمہ ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ (۱۵) مولانا خالد رشید فرنگی محلی صاحب بحیثیت ارکان شامل ہوں گے''۔

کنوینر اور جوائنٹ کنوینر کو اختیار ہوگا کہ وہ

۱۔ مرکزی ایکشن کمیٹی میں ارکان کا اضافہ کر سکتے ہیں۔

۲۔ صوبائی ایکشن کمیٹیوں کی تشکیل کریں۔

۳۔ اس تحریک کے لئے جدید طریقوں کو اختیار کرے اور علیحدہ ویب سائٹ تیار کروائیں۔

جناب یوسف حاتم مچھالا صاحب نے کہا کہ اس مہم میں ہمارے جو مطالبات ہیں ان کو تحریر میں لا کر کمیٹیوں اور ان کے ارکان کو دیا جائے تا کہ ایک ہی بات پیش کی جائے اور ان قوانین میں جو ترمیم چاہتے ہیں انہیں بھی واضح کیا جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ R.T.E. میں مجوزہ ترمیم میں دستور کے آرٹیکل 26 کے حوالہ کے ساتھ ساتھ اس باب کے دوسرے آرٹیکلس کا بھی ذکر کیا جائے۔محترمہ ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ نے اس قانون کی کئی کئی دفعات میں ترمیم کی ضرورت بتلائی اور ان کا ذکر کیا۔محترمہ کو بتایا گیا کہ بورڈ کی جانب سے ہر دفعہ میں ترمیم کے بجائے دو دفعات کے اضافے کے ذریعہ مذہبی تعلیم کے اداروں کے لئے استثناء اور اقلیتی تعلیمی اداروں کی داخلی خودمختاری کی بحالی کی تجویز رکھی گئی۔

بابری مسجد:

جناب یوسف حاتم مچھالا صاحب نے اجلاس کو بتایا کہ سپریم کورٹ میں بابری مسجد کے مقدمہ کے فیصلہ کے خلاف اپیلوں کے علاوہ تین مقدمات زیر سماعت ہیں۔ دہلی ہائی کورٹ نے ہم جنسی کے فعل کو جائز اور جرم نہ قرار دینے کا جو فیصلہ کیا تھا اس کے خلاف آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی تھی، بورڈ کی اپیل کے بعد دوسرے بھی سپریم کورٹ سے رجوع ہوئے، حال ہی میں یہ مقدمہ سپریم کورٹ کی ایک بنچ کے سامنے آیا تھا جس نے یہ فیصلہ کیا کہ اسکی مکمل سماعت فروری ۲۰۱۲ء میں کی جائیگی۔ دارالقضاء کے خلاف جو رٹ سپریم کورٹ میں فائل ہوئی تھی اس میں بورڈ کی جانب سے جواب داخل کیا جا چکا ہے حکومت ہند کی طرف سے بھی جواب داخل ہوا ہے جس سے ہمارے موقف کی تائید ہوئی ہے، اس رٹ کی سماعت کے لئے ابھی تک کوئی تاریخ طے نہیں ہوئی ہے، تبنیت (Adoption) کو مسلمانوں کے لئے قانونی طور پر جائز قرار دینے کے لئے جو رٹ داخل ہوئی تھی اس میں بھی ہمارا جواب داخل ہو چکا ہے لیکن اس کیس کی سماعت کی تاریخ کا تعین نہیں ہوا ہے۔ جناب یوسف حاتم مچھالا صاحب نے بتایا کہ کیرالا ہائی کورٹ میں اسلام کے قانون وراثت کے خلاف ایک رٹ مسلم اداروں اور افراد کی طرف سے داخل کی گئی ہے جس میں وراثت میں جنسیت کی بنیاد پر حصوں کے فرق کو دستور کے آرٹیکل 14, 15 کے خلاف قرار دیتے ہوئے اسلامی قانون وراثت کو ملک میں نا قابل نفاذ قرار دینے کی استدعا کی گئی ہے، اس رٹ میں بورڈ درخواست دے کر فریق بن چکا ہے، حکومت ہند کا جواب بھی اس میں داخل ہو گیا ہے لیکن وہاں کے چیف جسٹس کی سپریم کورٹ میں تقرری کی وجہ سے سماعت نہیں ہوئی، اب نئے چیف جسٹس جائزہ لے چکے ہیں اور توقع ہے کہ جنوری میں اسکی سماعت ہوگی۔

جناب ظفریاب جیلانی صاحب ایڈوکیٹ نے اجلاس کو بتایا کہ بابری مسجد مقدمہ میں الہ آباد ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف بورڈ نے ۷/اپیلیں فائل کروائی ہیں دوسروں کی جانب سے ۳/اپیلیں فائل ہوئی ہیں، سپریم کورٹ نے الہ آباد ہائی کورٹ سے اس کیس کا ریکارڈ طلب کر لیا ہے، ابھی یہ طے نہیں ہوا ہے کہ ان اپیلوں کی سماعت سپریم کورٹ میں کب ہوگی۔ جناب ظفریاب جیلانی صاحب نے انہدام بابری مسجد کے فوجداری مقدمات کی تفصیلی تحریر پیش کی جو درج ذیل ہے:

''بابری مسجد کے انہدام سے متعلق جن دو مقدمات میں C.B.I. کے ذریعہ داخل چارج شیٹ کی بنیاد پر کارروائی ہو رہی ہے ان میں Crime No. 198/92 کا مقدمہ C.B.I. Court رائے بریلی میں چل رہا ہے اور Crime No. 197/92 سے متعلق مقدمہ C.B.I. Court لکھنؤ میں چل رہا ہے جنکی ۲۲/اپریل ۲۰۱۱ء تک کی پیش رفت سے متعلق رپورٹ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کی میٹنگ منعقدہ حیدرآباد میں پیش کی جا چکی ہے۔

C.B.I. Court Raibareily میں ۲۲/اپریل ۲۰۱۱ء کو

دسویں گواہ (حاجی محبوب صاحب ساکن ایودھیا) کی جرح چل رہی تھی جو ۲۷؍جون ۲۰۱۱ء کو ختم ہوگئی اور ۲۰؍جولائی ۲۰۱۱ء کو گیارہویں گواہ اشوک سنگھ کا بیان درج ہوا۔ حاجی محبوب صاحب کے خلاف ملزمان کی جانب سے ۲۷؍جون کو ہی ایک درخواست دفعہ 340 ضابطہ فوجداری کے تحت دروغ حلفی کا مقدمہ درج کرنے کے لئے دی گئی تھی جس میں ۲۰؍جولائی جواب کے لئے مقرر ہوئی تھی۔ اس درخواست کا جواب مقامی وکیل جناب مظہرالحق صاحب ایڈوکیٹ کے مشورہ سے تیار کرواکر داخل کر دیا گیا ہے اس کے بعد سے اس معاملہ میں ابھی تاریخیں لگ رہی ہیں اور بحث کے لئے فی الحال مظہرالحق صاحب کو ہی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے۔ اس میں بحث کی تاریخ ۱۷؍دسمبر لگی ہے۔ ۱۲؍اگست کو بارہویں گواہ کے طور پر شرد چندر پردھان کو پیش کیا گیا جو ایک مشہور صحافی ہیں۔ اسی درمیان ہائی کورٹ سے موصول ہدایت کے مطابق ضلع جج رائے بریلی نے متعلقہ مجسٹریٹ کو یہ حکم دیا کہ وہ مقدمہ کی شنوائی ہر مہینہ میں دس دن کرنے کی کوشش کریں۔ اس حکم کے آنے کے بعد عدالت نے جلد تاریخیں مقرر کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ مقدمہ میں اگست کی ۱۷، ۱۹، ۲۰، ۲۴، ۲۹ و ۳۰ تاریخیں مقرر ہوئیں اور ستمبر میں ۳، ۶، ۸، ۹، ۱۶، ۱۷، ۲۳، ۲۴ و ۳۰ تاریخیں مقرر ہوئیں۔ اس طرح شرد چندر پردھان صاحب کی جرح ۲۳؍ستمبر کو مکمل ہوگئی۔ ۳۰؍ستمبر کو تیرہویں گواہ کے طور پر مایا میگزین کے اجے کمار (Bureau Chief) کو پیش کیا گیا۔ اکتوبر میں مقدمہ ۳، ۱۳، ۲۱، ۲۲ و ۳۱ تاریخ کو مقرر ہوا اور ۱۱؍نومبر کو اجے کمار صاحب کی جرح ختم ہوگئی۔ ۱۷؍نومبر کو چودھویں گواہ کے طور پر رینو متل کو انکے Onlookar Magazine میں شائع مضمون کے تعلق سے پیش کیا گیا۔ جنکی جرح ابھی جاری ہے۔ ۱۸؍نومبر کو ہڑتال کی وجہ سے اب مقدمہ ۲۵؍نومبر کو جرح کے لئے لگا ہے۔

ڈسٹرکٹ جج کے اس حکم کے خلاف جس میں مقدمہ کی سنوائی مہینہ میں دس دن کرنے کے لئے کہا گیا ہے، ملزمان نے ہائی کورٹ میں ایک رٹ پٹیشن داخل کر دی ہے جس میں یکم؍ستمبر کو .C.B.I سے جواب مانگا گیا تھا جو ۹؍ستمبر کو داخل ہو گیا تھا اور اسکا جواب الجواب ۱۶؍ستمبر کو داخل ہونے کے بعد مقدمہ میں کئی تاریخوں پر بحث کے بعد ۲۴؍نومبر کو بحث مکمل ہوگئی ہے اور عدالت نے فیصلہ محفوظ کر لیا ہے۔ انہوں نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ اب مقدمہ ۲۶؍نومبر، ۲۸؍نومبر و ۳۰؍نومبر کے لئے مقرر ہے۔

اس مقدمہ کی پیش رفت اطمینان بخش ہے۔ ۱۳؍ستمبر ۲۰۱۰ء سے ۲۳؍نومبر ۲۰۱۱ء تک اس مقدمہ میں تقریباً ۱۲۰ تاریخوں پر 60 گواہوں کے بیان درج ہو چکے ہیں۔ ان دونوں مقدمات میں بورڈ کی جانب سے جناب مظہرالحق صاحب ایڈوکیٹ ہر پیشی پر حاضر رہتے ہیں اور مقدمہ کی کارروائی نوٹ کرتے ہیں و گواہان کے بیانات کی نقول حاصل کرتے ہیں اور مقدمات کی کارروائی کے بارے میں واقف کراتے رہتے ہیں۔ اس وقت وہ رائے بریلی کے مقدمہ میں ہونے والے بیانات کو صاف صاف کمپیوٹر ٹائپ کروا رہے ہیں تا کہ اگر بورڈ اس سلسلہ میں کسی سینیئر ایڈوکیٹ کو مقرر کرنا چاہے تو ان بیانات کے مطالعہ سے سینیئر ایڈوکیٹ یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ جتنی گواہی ہو چکی ہے وہ مقدمہ میں سزا دلوانے کے لئے کافی ہے یا ابھی مزید گواہوں کو پیش کئے جانے کے لئے .C.B.I سے اصرار کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ ۲۲؍اپریل کی رپورٹ میں بھی تذکرہ آ چکا ہے۔ اس بابت بورڈ کی کمیٹی برائے بابری مسجد کے صدر کو مجاز کیا جا سکتا ہے کہ وہ جلد از جلد اس سلسلہ میں مشورہ کر کے ضروری ہدایت دینے کی زحمت کریں ورنہ ایک مرتبہ استغاثہ کی جانب سے شہادت کا سلسلہ بند ہو جانے پر کوئی کارروائی شاید ممکن نہ ہو سکے۔

لکھنؤ کی .C.B.I عدالت نے .Crime No 197/92 کے جن ۲۱ ملزمان کے خلاف 2001-5-4 کو کارروائی Drop کرنے کا جو حکم دیا تھا اس کے خلاف .C.B.I کے ذریعہ دائر نگرانی کو ہائی کورٹ نے ۲۰؍مئی ۲۰۱۰ء کو خارج کرتے ہوئے عدالت ماتحت کے حکم کی توثیق کر دی تھی۔ اس تعلق سے اورنگ آباد میں منعقد ہونے والی ۶؍جون ۲۰۱۰ء کی عاملہ کی میٹنگ میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے یہ کہا گیا تھا کہ ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں فوری طور پر اپیل کی جانی چاہئے۔ وہ اپیل بورڈ کی طرف سے تو داخل نہیں ہو سکی لیکن .C.B.I نے کافی دیری سے اپیل دائر کر دی تھی جس پر ۴؍مارچ ۲۰۱۱ء کو فریقین کو نوٹس جاری کرنے کا حکم ہو گیا تھا مگر 14-10-2011 تک

فریقین پر نوٹس کی تعمیل کا عمل مکمل نہیں ہو سکا تھا اس لئے ابھی اس اپیل کی شنوائی نہیں ہوسکی ہے۔ اس مقدمہ میں بھی بورڈ کی طرف سے مناسب پیروی کی ضرورت ہے۔ اگر یہ اپیل منظور ہو جائے تو ان ۲۱ ملزمان کے خلاف بھی لکھنؤ کی C.B.I. کورٹ میں مقدمہ شروع ہوسکتا ہے جنکے خلاف اس وقت Crime No. 197/92 میں کہیں مقدمہ نہیں چل رہا ہے۔ ان ملزمان میں زیادہ تر اہم لوگ شامل ہیں مثلاً بالا صاحب ٹھاکرے، لال کرشن اڈوانی و مرلی منوہر جوشی وغیرہ۔ ان لوگوں پر اس مقدمہ میں بابری مسجد کے انہدام کی سازش کا الزام ہے۔''

دارالقضا:

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب نے دارالقضاء کمیٹی کی کارکردگی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتلایا کہ کمیٹی کا کام جاری ہے۔ الہ آباد میں جلد ہی دارالقضاء کا قیام عمل میں لایا جائیگا، آسام میں فروری ۲۰۱۲ء میں قضا کے سلسلہ میں ایک کیمپ منعقد ہوگا، ملک کے مختلف علاقوں سے دارالقضاء کے قیام اور قاضی فراہم کرنے کا مطالبہ ہورہا ہے، گجرات میں انشاء اللہ اپریل ۲۰۱۲ء میں کیمپ لگایا جائیگا، دارالقضاء کی نگرانی کا مسئلہ بہت اہم ہے قاضی کے تقرر اور عزل کو مقامی نگراں حضرات کے تحت نہ رکھا جائے بلکہ تقرری اور معزولی کا کام بورڈ کے تحت ہو، بورڈ میں کسی شخص کو مستقل بحال کیا جائے جو مختلف علاقوں کا دورہ کرے اور دارالقضاء کا قیام عمل میں لائے۔

تفہیم شریعت و مجموعہ قوانین اسلامی:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بتایا کہ تفہیم شریعت تحریک جاری ہے، چنئی میں اسی ماہ ایک پروگرام ہوا جس میں دو سو افراد شریک ہوئے، خواتین کی بھی متعدد بہ تعداد تھی، ماہ اکتوبر ۲۰۱۱ء میں بھٹکل میں بھی یہ پروگرام ہوا، ضرورت اس بات کی محسوس ہوتی ہے کہ میدانی کام کے لئے کسی صاحب کو دفتر میں بحال کیا جائے، انہوں نے مجموعہ قوانین اسلامی پر نظر ثانی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے بتلایا کہ جسٹس سید شاہ محمد قادری صاحب نے اس کے انگریزی ترجمہ کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد مجموعہ کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے انہوں نے کئی تجاویز مرتب کر کے دیں تا کہ مجموعہ کے دفعات کی زبان چست و درست بنایا جائے، تحریر میں ایسا اجمال نہ ہو جس سے عدالت کو کسی اور تعبیر کا موقع مل سکے۔ ان کی تجاویز کو سامنے رکھتے ہوئے مجموعہ قوانین اسلامی پر نظر ثانی کا کام شروع کیا گیا۔ ابھی ۲۲ر تا ۲۴ر نومبر ۲۰۱۱ء کو کمیٹی کی میٹنگ ہوئی جسمیں یہ کام بڑی حد تک مکمل کرلیا گیا اور ایک نشست کے بعد انشاء اللہ پایہ تکمیل کو پہونچ جائیگا جس کے بعد نظر ثانی شدہ مجموعہ قوانین اسلامی ترجمہ کے لئے جسٹس قادری صاحب کو دیا جائے گا۔ ایک اور کام مجموعہ قوانین اسلامی میں فقہ شافعی، فقہ سلفی اور فقہ جعفری کے مسائل کو حاشیہ میں درج کرنے کا ہے فقہ شافعی کی ذمہ داری اہل بھٹکل نے لی تھی یہ کام انہوں نے مکمل کرلیا ہے لیکن وہ ایک اور مرتبہ اسکو دیکھ لینے کے بعد دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو روانہ کریں گے، فقہ جعفری کی ذمہ داری مولانا کلب صادق صاحب کو دی گئی جنہوں نے یہ کام علامہ عقیل الغروی کے سپرد کیا اور بتایا کہ یہ کام انہوں نے مکمل کرلیا ہے مگر کسی وجہ سے وہ دفتر بورڈ کو ارسال نہیں کیا جارہا ہے، فقہ سلفی پر ہوئے کام مکمل ہو کر دفتر آ گیا لیکن مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب اس پر دوبارہ غور کے لئے وقت چاہتے ہیں اسلئے مجموعہ قوانین اسلامی میں ان فقہی مکاتب کے تعلق سے حاشیہ میں اندراج کا کام نہیں ہوسکا۔ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نائب صدر بورڈ نے فرمایا کہ دارالقضاء کے نظام کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے یہ نظام جس انداز کا ہونا چاہئے وہ نہیں ہے، موجودہ حالات میں دارالقضاء کی اہمیت و ضرورت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم دنیا کے سامنے دارالقضاء کی افادیت کو واضح کریں اور لوگوں کو یہ بتائیں کہ کس طرح عدل و انصاف اور مالی خرچ کے بغیر مسائل دارالقضاء سے حل ہوتے ہیں۔

جنرل سکریٹری بورڈ حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے فرمایا کہ دارالقضاء کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ مقامی لوگوں کا تعاون حاصل ہو اور پھر یہ کہ قاضی تربیت یافتہ ہو جو صحیح طریقے پر مقدمات کی مسل مرتب کر سکتا ہو اور مسائل کے مختلف پہلوؤں کو سمجھ سکتا ہو، بہتر یہ ہے کہ جس مقام پر دارالقضاء قائم ہو وہاں اسکی عام تشہیر ہو اور لوگ جانیں کہ ایک ایسا ادارہ قائم کردیا ہے جہاں وہ اپنے عائلی تنازعات کو حل کرواسکتے ہیں، اگر ان تینوں امور کی طرف توجہ دی جائے اور دانشور حضرات بھی لوگوں میں توجہ پیدا کریں

تو لوگ دارالقضاء سے رجوع کرنے لگیں گے اور یہ کام آگے بڑھے گا۔

بائیسویں اجلاس کی بابت:

صدر اجلاس حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے اجلاس کو واقف کرایا کہ بورڈ کے آئندہ اجلاس کے بارے میں دو جگہوں سے دعوتیں آئی ہیں۔ کیرالا سے ایک دعوت آئی ہے جس میں کیرالا میں اجلاس کے انعقاد کا فیصلہ کرنے کے لئے کہا گیا ہے، دوسری دعوت ممبئی سے آئی ہے، ۱۸/نومبر ۲۰۱۱ء کو وہاں ایک اجتماع منعقد ہوا جہاں طے پایا کہ ممبئی میں بورڈ کے ۲۲ویں اجلاس عام کے انعقاد کی درخواست آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے کی جائے۔ چنانچہ صدر محترم نے فرمایا کہ ۲۰۱۲ء کے اجلاس کے لئے ممبئی کی دعوت قبول کی جاتی ہے اور انشاء اللہ ماہ اپریل ۲۰۱۲ء کے تیسرے ہفتہ میں بورڈ کا ۲۲/واں اجلاس عام منعقد ہوگا۔

دیگر امور باجازت صدر کے تحت جناب سید خلیل الرحمٰن صاحب نے کہا کہ بورڈ اپنی مالیات کو مضبوط کرنے پر توجہ دے اور اس سلسلہ میں بورڈ کا ایک مؤقر وفد خاص مقامات کا دورہ کرے، بورڈ اپنے دفتر کو مثالی بنانے اور اچھے مقام اور اچھی عمارت میں منتقل کرنے کی کوشش کرے، اسی کے ساتھ انہوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ویب سائٹ کو فعال بنانے پر زور دیا اور تعاون کا ہاتھ بڑھانے کا وعدہ کیا۔ جناب جنرل سکریٹری صاحب نے بتایا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کو ویب سائٹ کا کام دیا گیا ہے جنہوں نے اردو کا حصہ مکمل کرلیا ہے ویب سائٹ کے سلسلہ میں طے پایا کہ جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، جناب کمال فاروقی صاحب اور جناب ایس ایم خلیل الرحمٰن صاحب کے اشتراک سے اس کام کو مکمل کریں تا کہ بورڈ کا ایک فعال ویب سائٹ تیار ہو سکے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے ملک میں مسلمانوں کے درمیان مسلکی اختلافات کے بڑھتے ہوئے رجحان کے پیش نظر یہ تجویز پیش کی کہ صدر بورڈ مختلف مسالک کے علماء کرام کو بلائیں اور ایک ایسی تحریر پر دستخط حاصل کریں جسمیں مسلمانوں سے یہ اپیل کی جائے کہ وہ اپنے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے آپس میں متحد ہوں، اختلافات کو ہوا نہ دیں اور آپسی خلفشار پیدا نہ کریں، اس تحریر کو سارے ملک میں پھیلایا جائے۔

میڈیکل انٹرنس ٹیسٹ:

جنرل سکریٹری بورڈ حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے اجلاس کو بتایا کہ نائب صدر بورڈ مولانا ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب بیرون سفر کی وجہ سے اجلاس میں شرکت نہ کر سکے لیکن انہوں نے بذریعہ خط یہ بتلایا کہ آل انڈیا میڈیکل کونسل اور مرکزی حکومت نے تمام میڈیکل کالجز کے لئے ایک ضابطہ مقرر کیا ہے کہ مرکز کے تحت طلبہ کا اہلیتی امتحان ہوگا جس کے بعد صلاحیت کی بنیاد پر فہرست مرتب ہوگی اور میڈیکل کالجز کو اسی فہرست سے طلبہ کو داخلہ دینا ہوگا، اس پابندی کے نتیجہ میں اقلیتوں کو نقصان ہوگا کیونکہ اقلیتی طلبہ اتنی تعداد میں اس مرکزی امتحان میں شریک نہیں ہوں گے اسلئے مرکزی حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ مرکزی اہلیتی ٹسٹ کی تجویز کو واپس لے لیا جائے۔ صدر محترم نے بتایا کہ اس تعلق سے مرکزی حکومت کو خط لکھ چکے ہیں، اجلاس میں یہ بات بھی آئی کہ مرکزی اہلیتی ٹسٹ کی شرط کو قبول کرنا یا نہ کرنا ریاستی حکومتوں کے دائرے کار میں ہے اور یہ مطالبہ متعلقہ ریاستی حکومتوں سے کیا جاسکتا ہے، ایک نقطہ نظر یہ بھی پیش ہوا کہ یہ مسئلہ بورڈ کے دائرے کار میں نہیں آتا ہے، اجلاس کا نقطہ نظر یہ رہا کہ صدر بورڈ اس تعلق سے مرکزی حکومت کو خط لکھ چکے ہیں جنرل سکریٹری ریاستی حکومتوں کو لکھیں کہ ریاستی حکومتیں اس تجویز کو قبول نہ کریں، مولانا سعود عالم قاسمی صاحب نے پچھلے اجلاس میں پیش کی گئی تجویز کو دہرایا کہ دفتر میں باصلاحیت افراد کو بحال کیا جائے اور کسی تجویز کے منظور ہونے پر اس تجویز کے نفاذ کا کام کسی کے سپرد کیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ خبر نامہ کا نام بدل کر شریعہ یا اس طرح کا کوئی نام رکھا جائے اور اس میں مسلم پرسنل لا اور اسلام سے متعلق مضامین شائع ہوں اور ایک حصہ بورڈ کی سرگرمیوں کا رکھا جاسکتا ہے۔

اجلاس کے اختتام پر صدر بورڈ نے فرمایا کہ بورڈ کے اندر باہمی تعاون سے اتحاد باقی ہے، باہمی تعاون سے زندگی کو آگے بڑھانے میں ہمیشہ مدد ملتی ہے اور ہمارا اتحاد بھی باہمی تعاون سے مضبوط ہوگا اور آگے بڑھے گا، مشترکہ مقاصد کے سلسلہ میں دوسروں کے ساتھ تعاون سے گریز نہ کیا جائے اور منفی رویہ ہرگز اختیار نہ کریں، کلمات تشکر جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے ادا کئے پھر صدر بورڈ کی دعاء پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔ ❁❁❁

مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں

(مختصر رپورٹ)

مرتب: وقارالدین لطیفی

- ۲۶ر نومبر ۲۰۱۱ء کو بورڈ کی مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ ہوئی جس کی روداد علیحدہ سے اسمیں شامل کی جارہی ہے۔
- رائٹ ٹو ایجوکیشن ایکٹ کے تعلق سے حضرت جنرل سکریٹری بورڈ صاحب کی طرف سے مؤرخہ ۲ر نومبر ۲۰۱۱ء کو حسب ذیل پریس بیان جاری کیا گیا۔

حق تعلیم ایکٹ سے دینی مدارس اور مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کو مستثنیٰ کیا جائے۔

تعلیم ہر بچے کا ایک بنیادی حق ہے۔ چنانچہ اسی پس منظر میں ملک کی پارلیامنٹ نے اگست ۲۰۰۹ء میں ایک قانون منظور کیا تھا اور صدر مملکت کے دستخط کے بعد ۲۰۱۰ء میں اس کا نفاذ عمل میں آگیا لیکن مکمل نفاذ کے لئے تین سال کی مدت رکھی گئی ہے۔ حق حصول تعلیم کے تعلق سے اپنے ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ ملک کے موجودہ تعلیمی اور سماجی تناظر میں حق تعلیم یعنی R.T.E کی اہمیت، افادیت اور معنویت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ آزادی کے ۶۵ سال گذر جانے کے بعد بھی ملک کے دیگر شعبوں میں تو خاطر خواہ ترقی ہوئی ہے مگر جہاں تک تعلیم کے شعبے کا تعلق ہے تو سو فیصد خواندگی کے ہدف تک ابھی نہیں پہونچا جا سکا ہے۔ اگر چہ کیرالہ اور چند دوسری ریاستیں اس ہدف کے قریب پہنچ چکی ہیں لیکن دوسری ریاستوں میں خواندگی کی شرح ابھی بھی غیر اطمینان بخش ہے۔ اس صورت حال پر قابو پانے کے لئے مرکز نے اور بعض دوسری ریاستوں بشمول بہار نے متعدد تعلیمی اسکیمیں شروع کیں جن سے خواندگی کی شرح میں اضافہ تو ہوا لیکن مکمل خواندگی کا مقصد ہنوز حاصل نہیں ہو سکا ہے جو بلاشبہ فکرمندی کی بات ہے۔

جنرل سکریٹری بورڈ نے اپنے بیان میں مزید فرمایا ہے کہ تعلیمی پسماندگی پر قابو پانے اور تعلیم کے فروغ کے لئے R.T.E کے نام سے ایک قانون وضع کیا گیا ہے جس کے تحت چھ سے چودہ سال کی عمر تک کے بچوں کے لئے مفت اور لازمی تعلیم کو ان کا حق قرار دیا گیا ہے لیکن اس مقصد کے لئے جو طریقے اختیار کئے گئے ہیں اور جو تجویزیں قانون میں پیش کی گئی ہیں وہ نا قابل فہم بھی ہیں اور نا قابل عمل بھی۔ قانون میں یہ کہا گیا ہے کہ آئندہ تین سال کے اندر ہر ایک کیلومیٹر پر ایک اسکول قائم ہوگا اور اس کی ذمہ داری ریاستی حکومت کے ساتھ ہی ہر ریاست کے میونسپل اداروں پر ڈال دی گئی ہے گویا فروغ تعلیم کے اس اہم معاملہ میں مرکز کا کوئی خاص کردار نہیں ہوگا۔ بہر کیف اس سلسلے میں جو تفصیلات اب تک ملی ہیں وہ بتاتی ہے کہ کم وبیش تمام ریاستی حکومتوں اور میونسپل اداروں نے اپنی اپنی مجبوری ظاہر کردی ہے یہ کہتے ہوئے کہ ان کے پاس فنڈ نہیں ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں نیا اسکول قائم کیا جائے۔ اس کے بجائے اگر سماجی اداروں اور غیر سرکاری تنظیموں کو نئے اسکولوں کے قیام کے سلسلے میں کچھ مالی اور دوسری نوعیت کی ترغیبات دی جاتی تو وہ زیادہ قابل عمل ہوتی۔ مذکورہ قانون کی دوسری بڑی خامی یہ ہے کہ نئے پرائیویٹ پرائمری اسکولوں کے قیام کے سلسلے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے لئے قبل سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہوگا اس کے علاوہ کچھ ایسی شرطیں مثلاً پلے گراؤنڈ وغیرہ بھی اس میں شامل کی گئی ہے جن

پر عمل کرنا خاص کر بڑے اور چھوٹے شہروں میں اگر بالکل ہی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوگا۔ سوال یہ ہے کتنے سرکاری اسکول ہے جن کے اپنے پلے گراؤنڈ (کھیلنے کا میدان) ہے۔

جنرل سکریڑی بورڈ نے R.T.E کے اندر اس نقص کی طرف بھی توجہ دلائی ہے جس کا تعلق اقلیتی تعلیمی اداروں، مکاتب اور مدارس وغیرہ سے ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حیرت کی بات یہ ہے کہ R.T.E کے مرتبین کو یہ بات کیوں نہیں یاد رہی کہ ملک کے آئین کے آرٹیکل 30 کے تحت ملک کی مذہبی اور لسانی اقلیتوں کو اپنے تعلیمی اداروں کے قیام، انتظام وانصرام کا حق حاصل ہے تا کہ وہ اپنے مذہبی، لسانی اور تہذیبی تشخص کو قائم وبرقرار رکھ سکے۔ اگر موجودہ قانون پر من وعن عمل ہوتا ہے تو اس حق پر ضرب پڑے گی۔ اسکول قائم کرنے کیلئے قبل سے اجازت لینے کی شرط بھی آرٹیکل 30 سے متصادم نظر آتا ہے۔ اسی طرح سے رجسٹریشن کا بھی معاملہ ہے۔ حکومت تمام اقلیتی اور پرائیویٹ اسکولوں کا رجسٹریشن چاہتی ہے جس کے خلاف گذشتہ ۲۸ رستمبر کو بہار کے پرائیویٹ اور اقلیتی اسکولوں نے جو دہائیوں سے مصروف عمل ہیں بطور احتجاج ایک دن کے لئے اپنے اسکولوں کو بند رکھا تھا۔ اسی طرح سے R.T.E کے تحت ایک قومی تعلیمی نصاب کی بھی تجویز ہے جو اقلیتوں کے حقوق کے تعلق سے متعدد آئینی دفعات سے متصادم ہے۔ اس سلسلے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا وفد مرکزی حکومت کے ذمہ داروں سے مل چکا ہے اور بورڈ کی طرف سے چند دفعات کے اندر ترمیمات کا اہم مسودہ پاس کر چکا ہے۔ اس پر فوراً توجہ دی جائے اس سلسلہ میں حیدرآباد، لکھنو وغیرہ میں احتجاجی جلسے بھی منعقد ہو چکے ہیں اور یہ احتجاج اس وقت تک جاری رہے گا جب تک مطالبات پورے نہیں ہوتے۔

ان حقائق کے پیش نظر جنرل سکریٹری نے اپنے بیان میں مرکزی حکومت کو یہ مشورہ دیا ہے کہ فروغ تعلیم کے سلسلے میں وہ حقیقت پسندی سے کام لے، اس بنیادی حقیقت کو اپنے پیش نظر رکھے کہ ہندوستان مختلف مذاہب پر عمل کرنے والوں، مختلف زبانوں کے بولنے والوں اور مختلف تہذیب وثقافت کے حاملوں کا ملک ہے لہذا زندگی کے ان شعبوں میں یکسانیت لانے کی کوئی کوشش بھی غلط ہی نہیں بلکہ شدید ردعمل کا سبب بنے گی لہذا اس ایکٹ میں مذکورہ حقائق کی روشنی میں مناسب بامعنی ترمیم کی جائے تا کہ کوئی طبقہ اور کوئی فرقہ یہ محسوس نہ کرے کہ اس کے تشخص کو ختم کرنے کی در پردہ کوششیں ہو رہی ہیں اور اس کے لئے R.T.E کو بطور حربہ استعمال کیا جا رہا ہے۔

● آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنی ۲۶ رنومبر ۲۰۱۱ء کی مجلس عاملہ میں عوامی بیداری کی غرض سے ملک گیر پیانے پر تحریک چلانے کا فیصلہ کیا ہے اور بورڈ نے حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کی سرپرستی میں ''کل ہند آئینی حقوق بچاؤ تحریک'' کمیٹی بھی قائم کی جو درج ذیل ارکان پر مشتمل ہے:

۱۔	جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب	حیدرآباد
۲۔	مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کنویز	مونگیر
۳۔	ڈاکٹر مولانا سعود عالم قاسمی صاحب جوائنٹ کنویز	علی گڑھ
۴۔	مولانا کلب جواد صاحب	لکھنؤ
۵۔	مولانا سلمان حسینی ندوی صاحب	لکھنؤ
۶۔	مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب	دہلی
۷۔	حضرت مولانا مفتی محمد مکرم احمد صاحب	دہلی
۸۔	مولانا محمد اطہر علی صاحب	ممبئی
۹۔	جناب ایم اے رشید انجینئر صاحب	پربھنی مہاراشٹر
۱۰۔	جناب ملک محمد ہاشم صاحب	چنئی
۱۱۔	مولانا ڈاکٹر یٰسین علی عثمانی صاحب	بدایوں
۱۲۔	جناب ایس۔ ایم ایس خلیل الرحمٰن صاحب	بھٹکل
۱۳۔	جناب سید محمد احمد صاحب	دہلی
۱۴۔	جناب کمال فاروقی صاحب	دہلی
۱۵۔	جنابہ پروفیسر مونسہ بشریٰ عابدی صاحبہ	ممبئی
۱۶۔	جنابہ ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ	حیدرآباد
۱۷۔	مولانا خالد رشید فرنگی محلی صاحب	لکھنؤ

۱۸۔ جناب ناظم الدین فاروقی صاحب حیدرآباد

● یہ کمیٹی پہلے دن سے میدان عمل میں آچکی ہے، پورے ملک کے اندر عوامی بیداری کا کام بورڈ کی سرپرستی اور ہدایت میں انجام دیا جارہا ہے، چنانچہ کمیٹی نے اسکی شروعات ملک کی راجدھانی دہلی سے کی اوراس کے ایک علاقہ پر مشتمل ائمہ مساجد کو ساتھ لیکرعظیم الشان اجلاس کیا، جس کی تفصیلی روداد کتابچہ کی شکل میں طبع کرا کر پورے ملک میں بھیجا جارہا ہے۔البتہ اس کے بعد حسب ذیل پریس بیان جاری کیا گیا تھا۔

نئی دہلی: ۱۹؍جنوری ۲۰۱۲ء

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے RTE، وقف ترمیمی بل، ڈائریکٹ ٹیکسیس کوڈ بل اور یوپی میں زرعی زمین میں خواتین کے وراثت کے قانون کے سلسلہ میں مستقل حکومت اور حکومت کے ذمہ داروں سے نمائندگی کرتا رہا ہے لیکن حکومت کی سردمہری اور مسلمانوں کے سلسلہ میں بے توجہی کے پیش نظر بورڈ نے ۲۶؍نومبر ۲۰۱۱ء کی مجلس عاملہ میں ''آئینی حقوق بچاؤ تحریک'' کے نام سے بورڈ کے سکریٹری حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کی، مجلس عاملہ نے یہ بھی طے کیا کہ یہ کمیٹی ملک گیر پیمانے پر اس تحریک کے ذریعہ عوامی بیداری کا کام کرے، چنانچہ کنوینر کمیٹی حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے اسی دن سے پورے ملک کے اندر اس کے لئے کوششیں شروع کردیں اور مناسب سمجھا گیا کہ اس کی ابتداء سرزمین دہلی سے کی جائے، چنانچہ اوکھلا، علاقہ حضرت نظام الدین، سرائے کالے خان اور تیمور نگر کے ائمہ مساجد کے تعاون سے ۱۸؍دسمبر ۲۰۱۱ء کوعظیم الشان اجلاس کی پہلی نشست بعد نماز مغرب ملی ماڈل اسکول مرکز جماعت اسلامی کیمپس ابوالفضل انکلیو میں حضرت مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا، اس اجلاس کا افتتاح حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی مکرم احمد صاحب نے فرمایا اور مہمان خصوصی حضرت مولانا عبداللہ مغیثی صاحب جلوہ افروز تھے۔اجلاس کا آغاز مفتی منصور صاحب کی تلاوت سے ہوا۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں جناب قاری عبدالحفیظ صاحب نے نذرانہ عقیدت پیش کیا، اس اجلاس کے پہلے مقرر جناب مفتی اعجاز ارشد قاسمی صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ: بورڈ ایک ایسا واحد پلیٹ فارم ہے جہاں تمام مسلک ومشرب کے لوگ شامل ہیں ان کی خدمات تاریخ میں نقش ہیں دنیا میں اس کا خوف طاری ہے کہ یہ ایسی جماعت ہے جو پورے طور پر متحد ہے بورڈ اس وقت چار موضوع کے تحت فکرمند ہے اور آپ حضرات کے اندر بیداری پیدا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے RTE وقف ترمیمی بل اور ڈائریکٹ ٹیکسیس کوڈ بلپر بورڈ کے ارباب حل وعقد نے بل کے اسرار ورموز پر نظر رکھتے ہوئے اس کے ان پہلوؤں کو واضح کیا جس سے ہمارے پرسنل لا پر اثر پڑتا ہے، اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا قاری محمد یعقوب خان صاحب امام و خطیب مسجد خلیل اللہ و رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے فرمایا کہ: ہم چاہے کسی تنظیم سے جڑے ہوں یا نہ ہوں مگر اسلام خود ایک تنظیم ہے اور ہر مومن اس کا ایک رکن ہے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اسلام پر جب بھی کوئی آنچ آئے ہم اس کے خلاف سینہ سپر ہوکر اس کا مقابلہ کریں۔

دوسری نشست بعد نماز عشاء ساڑھے سات بجے شروع ہوئی اور اس نشست کا آغاز حضرت مولانا قاری شمیم احمد صاحب قاسمی امام و خطیب جامع مسجد ذاکرنگر کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔تلاوت کلام پاک کے بعد حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی مکرم احمد صاحب شاہی امام مسجد فتحپوری و رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بوڈ نے اپنے افتتاحی خطاب میں فرمایا کہ: بڑے افسوس کی بات ہے کہ آزادی کے ۶۳؍سالوں کے بعد بھی ہمیں اپنی بقا وتحفظ کے لئے حکومت سے درخواست کرنی پڑتی ہے اور حکومت ہمیں نظر انداز کرتی ہے، لازمی تعلیم، مساجد ومقابر کے اوپر ٹیکس کا مسئلہ ہو، وقف کا مسئلہ اور مسلم نوجوانوں کو سالوں سال جیلوں میں سڑانے کا معاملہ ہو۔ یہ حکومت چاہے کسی بھی پارٹی کی حکومت ہو مہا ظالم ہے، یہ حکومت ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتی ہے؟ اگر اب ہم اس کے خلاف آواز نہ اٹھائیں تو آخر کب اٹھائیں گے یہ ایمان کی آخری کڑی ہے۔انسداد فرقہ وارانہ بل کب منظور ہوگا؟ ویسے بھی اس ملک میں قانون تو بھرا پڑا ہے لیکن مسلمانوں کے ساتھ جو ناانصافی ہورہی ہے اسکو انصاف کب ملے گا جو

قانون ہے پہلے اسکو انصاف کے ساتھ نافذ کرو۔ پرسنل لا بورڈ جو کچھ طے کرے ہم سب کو لبیک کہنا چاہئے اور اس کی آواز ہم سب کی آواز ہوگی۔ ہمیں ان تمام چیزوں کے خلاف مسلسل جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے اور ہمیں اس کے خلاف متحد ہوکر جنتر منتر پر بیٹھنا ہو یا پارلیمنٹ کا گھیراؤ کرنا پڑے تو کریں گے اس لئے کہ اس کے بغیر اس ملک کی اندھی بہری حکومت پر کوئی اثر نہیں پڑنے والا ہے۔

ڈاکٹر تسلیم احمد رحمانی صاحب صدر مسلم پولیٹیکل کونسل آف انڈیا نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ آزادی کے ۶۳ رسالوں کے بعد فرقہ پرست عناصر نے جسقدر چالیں چلیں ان میں سے اکثر چالوں کی ہمارے اس متحدہ و متفقہ پلیٹ فارم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی بدولت ہوا نکل جاتی ہے۔ اس ظالم، جابر و مسلم مخالف اور اسلام مخالف حکومت کے خلاف جب بھی مسلم پرسنل لا بورڈ آپ کو آواز دے آپ اس کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار رہیں۔

حضرت مولانا عبداللہ مغیثی صاحب رکن عاملہ بورڈ جو مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک تھے انہوں نے اپنے حکیمانہ اور پرمغز خطاب میں فرمایا کہ ہم حکومت سے کہنا چاہتے ہیں کہ ان بلوں کو بلوں میں ہی رہنے دو یہ جب باہر آئیں گے تب ہی کچھ ہوگا اس لئے اسکو بل میں ہی رہنے دو، ہندوستان کے علماء وصلحاء آج اس تحریک کی بسم اللہ کررہے ہیں اور آپ کو آواز دے رہے ہیں مسلم پرسنل لا بورڈ کا وجود مقام صدیقیت کی تصویر ہے اگر ہمارے آئینی حقوق وشرعی حقوق کے اندر ذرا سی بھی مداخلت کی کوشش کی گئی تو اس ملک کا مسلمان اس کو برداشت نہ تو کیا ہے اور نہ آئندہ کبھی کرے گا۔ مہمان خصوصی کے پرمغز خطاب کے بعد بورڈ کی مجلس عاملہ کے رکن جناب ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ایک متحدہ و متفقہ پلیٹ فارم ہے، اس وقت ہمارے ملک کے حکمرانوں کو ہمارے دینی ادارے بہت کھل رہے ہیں آج مسلمانوں کے درمیان دین وشریعت میں کسی بھی مداخلت کو برداشت نہیں کیا جارہا ہے اس لئے کہ یہ دینی مدارس دین وشریعت کے واقف کاروں کو پیدا کرتے ہیں جن کی بدولت اسلام مخالف طاقتوں کی سازشیں ناکام ہوتی ہیں اس لئے حکومت نئے نئے ہتھکنڈوں کے ذریعہ ہمارے مدارس کو ختم کرنے کی سازش رچتی ہے، ہم سب کو متحد ہوکر ان سازشوں کو ناکام بنانا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے بعد حضرت مولانا محمد سلیمان قاسمی صاحب امام وخطیب جامع مسجد جامعہ ملیہ اسلامیہ نے فرمایا کہ اسلام اور قرآن کو مٹانے کے لئے پوری دنیا کوشش کررہی ہے مگر نتیجہ سورج کو تھوکنے کے مترادف ہے

مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی صاحب رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اپنے خطاب میں فرمایا کہ ہم یہاں اوقاف کے تحفظ کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

جناب مجتبیٰ فاروق صاحب سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے فرمایا حکومت RTE میں صرف ترمیم کا وعدہ نہیں بلکہ اسکو ایکٹ کا حصہ بنائے۔

حضرت مولانا شمیم احمد قاسمی صاحب امام وخطیب جامع مسجد ذاکر نگر نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ اگر ہم اور آپ بیدار رہیں گے تو انشاء تمام بل بل میں چلے جائیں گے۔ اگر آج سوئے ہوئے شیر کی مانند رہیں گے تو جان لیجئے کہ سوئے ہوئے شیر کا شکار آسان ہے، ضرورت ہے کہ ہم بیدار رہیں۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور اسلام کی تعلیمات کو عام کرے اور دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنائے۔

بورڈ کی مجلس عاملہ کے رکن حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب نے اپنے دلنشیں انداز میں فرمایا کہ بورڈ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی متحدہ آواز ہے، اپنے قیام کے وقت سے بورڈ عائلی قوانین کے تحفظ کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا ہے، مسلمان اس ملک کا ایک بہت بڑا حصہ ہیں کوئی بھی مسئلہ اگر ملک کے لئے پریشانی کا باعث بنتا ہے تو وہ ہمارے لئے بھی پریشانی کا باعث بنتا ہے، یہ انکم ٹیکس کا جو قانون آنے والا ہے اس سے صرف مدارس ومساجد پر اثر نہیں پڑے گا بلکہ مندروں، گرودواروں اور چرچوں پر بھی اثر پڑے گا، اس کے خلاف پورے ملک کے اندر قوت کے ساتھ آواز اٹھانے کی ضرورت ہے کہ حکومت لرز جائے فرقہ پرست طاقتیں اس وقت نئے نئے ہتھکنڈوں کے ذریعہ بورڈ کے اس اتحاد کو توڑنے کی

کوشش کررہا ہے ان کی چالوں کو سمجھنے کی بھی ضرورت ہے۔

اخیر میں صدر اجلاس اور آئینی حقوق بچاؤ تحریک دہلی اسٹیٹ کے کنوینر حضرت مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ پرسنل لا کی ہماری زندگیوں میں کیا اہمیت ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے اور اس کو صرف سمجھنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ دوسروں تک پہنچانے کی بھی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے، ان چار بلوں اور قانون پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے، ان سے صرف ملت اسلامیہ ہی نہیں بلکہ ملک کے دوسرے طبقات پر غلط اثرات پڑیں گے۔

یہ اجلاس حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب کی دعا پر رات ساڑھے دس بجے ختم ہوا۔

● تحریک کا اثر پورے ملک پر پڑنا لازمی تھا، اور بورڈ نے جو RTE، ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ بل، وقف بل اور یوپی میں زرعی زمینوں میں شادی شدہ خواتین کے حق وراثت والے قانون کے خلاف تحریک چلائی اس سے عوام آگاہ ہورہی ہے، اور اس کے اچھے اثرات بھی انشاء اللہ مرتب ہوں گے۔ بورڈ کے پلیٹ فارم سے دہلی کے علاوہ ۲۸ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو حضرت پیر میاں سعید مجددی صاحب کی سرپرستی اور ارکان بورڈ مولانا مسیح عالم جامعی صاحب اور جناب عارف مسعود صاحب کی نگرامی میں تاج المساجد بھوپال میں، مفتی محمد ذکاء اللہ شبلی صاحب اور جناب منیر احمد خان صاحب ارکان بورڈ کی نگرانی میں ۲۹ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو چھاؤنی اندور میں، ۳۰ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو مولانا نظام الدین فخرالدین صاحب رکن بورڈ کی سرگرمی میں پونہ میں، ۳۱ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو جناب ناظم الدین فاروقی صاحب کی سربراہی میں شہر حیدرآباد میں، یکم جنوری ۲۰۱۲ء کو جناب معین الدین صاحب اور مولانا معین الدین قاسمی صاحب کی نگرانی میں ناندیڑ میں جسمیں اسٹنٹ جنرل سکریٹری جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب وسکریٹری بورڈ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اور رکن عاملہ وایم پی جناب اسدالدین اویسی صاحب وغیرہ نے مجمع کو خطاب کیا۔ ۴ رجنوری ۲۰۱۲ء کو مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب اور مولانا عبدالحمید ازہری صاحب کی سرپرستی میں مالیگاؤں میں، ۶ رجنوری ۲۰۱۲ء کو مولانا محفوظ الرحمٰن فاروقی صاحب رکن بورڈ کی نگرانی میں اورنگ آباد میں جس میں خود کنوینر محترم نے کلیدی خطاب فرمایا اور ۶ رجنوری ۲۰۱۲ء کو دہرہ دون میں رکن بورڈ الحاج ڈاکٹر سید محمد فاروق صاحب کی سرپرستی اور رکن بورڈ قاضی سلیم احمد قاسمی صاحب کی نگرانی میں قبل جمعہ، بعد نماز عصر اور بعد نماز عشاء بالترتیب ایک دن میں تین اجلاس ہوئے اور تینوں اجلاس میں جنوبی دہلی کے قاضی مولانا محمد کامل قاسمی صاحب نے کلیدی خطاب فرمایا۔ ۸ رجنوری ۲۰۱۲ء کی صبح دس بجے پربھنی میں اور بعد نماز مغرب ہنگولی میں۔ رکن بورڈ جناب محمد عبدالرشید انجینئر صاحب کی سرپرستی میں عظیم الشان اجلاس منعقد ہوئے اس میں اسسٹنٹ جنرل سکریٹری جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اور جناب اسدالدین اویسی صاحب کا پربھنی میں کلیدی خطاب ہوا۔ ۶ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو جناب احمد اشفاق کریم صاحب اور مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب ارکان بورڈ وغیرہ کی نگرانی میں پٹنہ میں، ۱۸ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو حضرت جنرل سکریٹری بورڈ محترم کی صدارت میں انجمن ترقی اردو پٹنہ میں، ۱۹ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو حضرت جنرل سکریٹری صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی میں بڑے پیمانے پر پریس کانفرنس پٹنہ میں، دربھنگہ ضلع کے ڈان باسکو اسکول میں ۱۹ ردسمبر کو، ۲۰ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو مدرسہ رحمانیہ سپول میں، ۲۱ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو صبح کوٹھانی اور شام منٹھا میں، ۲۲ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو گیاری اور بورام میں۔ واضح رہے کہ دربھنگہ ضلع کے اس ہنگامی اور طوفانی دوروں کی قیادت خود کنوینر کمیٹی مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب فرمارہے تھے اور ہر نشست میں کلیدی خطاب بھی فرمایا، اس کے علاوہ ۲۵ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو کنہی دربھنگہ میں مولانا اسماعیل صاحب کی صدارت میں شاندار اجلاس ہوا۔ ۲۴ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو جناب احمد اشفاق کریم صاحب کی سرپرستی میں کٹیہار میڈیکل کالج کٹیہار میں، ۹ راور ۲۹ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو بالترتیب فاربس گنج کی جامع مسجد اور مدرسہ اصلاح المسلمین میں رکن بورڈ مولانا عبدالمتین نعمانی صاحب کی سرپرستی میں اس موضوع پر اہم پروگرام منعقد ہوا، ۹ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو خانقاہ رحمانی میں حضرت کنوینر کمیٹی کی صدارت میں عظیم الشان اجلاس اور ۱۶ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو اسی مسجد میں رکن بورڈ مولانا محمد نعیم رحمانی صاحب کی سرکردگی میں اہم اجلاس منعقد ہوا، ۱۶ ردسمبر ۲۰۱۱ء کو شہر مونگیر

کی جامع مسجد میں اجلاس ہوا جسمیں مولانا جمیل احمد مظاہری صاحب کا کلیدی خطاب ہوا، ۱۷ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو رکن بورڈ جناب الحاج شاہ محمد صدیقی ایڈوکیٹ صاحب نے صحافیوں کے اجلاس میں اس موضوع پر خطاب کیا۔ ۱۸ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو بیلن بازار مونگیر میں اور ۲۹ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو منت اکیڈمی کی طرف سے اشرف نگر مونگیر میں، ۲۴ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو جناب ذاکر بلیغ صاحب ایڈوکیٹ کنوینر آئینی حقوق بچاؤ تحریک مغربی چمپارن کی قیادت میں بیتیا میں، ۲۳ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو بلتھی اور بھیم پور مدھوبنی میں کنوینر کمیٹی مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے خود دونوں جگہ پر مغز کلیدی خطاب فرمایا۔ ۲۲ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو مظفر پور میں جناب قاری صہیب صاحب صدر آل انڈیا ملی اتحاد کی سرپرستی میں ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ حاجی علی حسن انصاری اور ماسٹر نثار احمد رحمانی صاحب کی نگرانی میں ۱۶ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو جموئی میں، ۱۷ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو مولانا عالم قاسمی صاحب کا اس موضوع پر دریاپور پٹنہ کی جامع مسجد میں اہم خطاب ہوا، اس کے علاوہ ۲۹ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو مولانا عبدالحفیظ صاحب کٹک رکن بورڈ کی سربراہی میں ایک پروگرام ہوا، رکن بورڈ مولانا مفتی نذر توحید صاحب چترا مستقل اپنے جمعوں کے خطبوں میں ماحول سازی کا کام کررہے ہیں اور ان کے پیش نظر اس موضوع پر ایک بڑا پروگرام منعقد کرنا ہے۔ ۴ر جنوری ۲۰۱۲ء کو دارالقضاء امارت شرعیہ لوکو مسجد آسنسول کے وسیع ہال میں قاضی شریعت مفتی زبیر احمد قاسمی صاحب کی نگرانی میں ایک عظیم اجتماع منعقد ہوا جسمیں رکن بورڈ مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب نے کلیدی خطاب فرمایا۔ ۱۱ر جنوری ۲۰۱۲ء کو رکن عاملہ بورڈ جناب محمد رحیم الدین انصاری صاحب کی نگرانی میں دارالعلوم حیدرآباد میں عظیم الشان اجلاس ہوا جسمیں اسسٹنٹ جنرل سکریٹری جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اور جناب اسدالدین اویسی صاحب نے کلیدی خطاب فرمایا۔ ۱۳ر جنوری ۲۰۱۲ء کو جناب مولانا محمد فاروق مفتاحی صاحب کی سرپرستی میں پرگی ضلع رنگاریڈی کی جامع مسجد میں ایک اہم اجلاس ہوا جسمیں مولانا محمد شفاء الدین ندوی صاحب نے کلیدی خطاب فرمایا۔ اسی طرح ۱۵ر جنوری ۲۰۱۲ کو پنویل مہاراشٹر اور ۱۶ر جنوری کو شہر ممبئی میں، ۲۰ر جنوری ۲۰۱۲ء کو بڑے پیمانے پر رکن بورڈ مولانا نظام الدین فخر الدین صاحب کی سرکردگی میں شہر پونہ میں اور شہر بنگلور میں حضرت مولانا مفتی محمد اشرف علی صاحب رکن عاملہ بورڈ کی سرپرستی میں ۲۹ر جنور ۲۰۱۲ء کو عظیم الشان پروگرام کا انعقاد ہوا۔ پورے مغربی بنگال اور اترپردیش میں فضا سازی کا کام زوروں پر چل رہا ہے امید ہے کہ ان صوبوں کے بڑے شہروں میں جلد ہی پروگرام کی ترتیب بن جائے گی۔

الحمد للہ بورڈ کی ان کوششوں سے ایک طرف جہاں عوامی بیداری کا کام انجام پارہا ہے، وہیں دوسری طرف حکمراں جماعت بھی ان مسائل پر اپنی پالیسی پر غور کررہی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے ان امور کو سمجھا جائے اور دوسروں کو سمجھایا جائے۔ اس وقت ان چاروں موضوعات کی تفصیلات کے بارے میں پوری واقفیت حاصل کرنا ہم سب کی ذمہ داری اور دینی فریضہ بھی ہے۔

اس سلسلہ میں بورڈ نے حسب ذیل تحریریں شائع کی ہیں:

- بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کا حق قانون اور گائڈ لائن کے بعد کی صورتحال — کتابچہ
- بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کا حق R T E — سہ ورقہ
- وقف کے قانون کا اثر دار ہونا ضروری ہے! — سہ ورقہ
- اور اب ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ — سہ ورقہ

  از: مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب
- ڈائریکٹ ٹیکسیس کوڈ کے مضر اثرات — سہ ورقہ

  از: محمد عبدالرحیم قریشی

ان تحریروں سے پوری بات سمجھ میں آجاتی ہے اور خواہشمند حضرات بورڈ کے مرکزی دفتر دہلی سے اسکو حاصل کرسکتے ہیں۔

● کنوینر کمیٹی محترم نے ایک مضمون ''اور اب ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ'' اور درج ذیل خط تحریر فرمایا جو پہلے دہلی کے ائمہ حضرات پھر جملہ ارکان بورڈ و مدعوئین اور ملک کے مدارس و مکاتب کے نام دفتر بورڈ سے ۸ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو روانہ کیا گیا۔

جناب مکرم ومحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے علم میں آچکا ہوگا کہ ابھی چار ایسے قانونی معاملات

ہیں، جنکا تعلق دینی اور ملی امور سے بہت گہرا ہے۔ جن کے لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بہت فکرمند ہے، اور حکومت کے متعلق افراد کوان امور کی طرف متوجہ کیا جاتا رہا ہے۔ اور معاملات ایسے مرحلہ میں داخل ہو چکے ہیں کہ مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس میں ۲۶ رنومبر ۲۰۱۱ء کو متفقہ فیصلہ کیا گیا کہ چار اہم قانونی نکات کولیکر ملک گیر تحریک چلائی جائے۔ اور متعلق حکومتوں کو تحریک کے ذریعہ صحیح، بہتر اور مضبوط تر قانون سازی پر آمادہ کیا جائے ـــــ انمیں

۱ ـــــ بچوں کے لازمی اور مفت تعلیم حاصل کرنے کے حق کے قانون RTE کے پیش نظر مدارس اسلامیہ، مکاتب اور اقلیتی تعلیمی اداروں کی قانونی حیثیت کو مستحکم کرنا اور مستقبل کے خطرات سے بچانے کیلئے قانون میں ترمیم کرانا

۲ ـــــ وقف کی جائدادوں کے انتظام کیلئے مضبوط وقف ایکٹ کی جلد سے جلد پارلیمنٹ سے منظوری

۳ ـــــ نئے ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ (زیرغور) کے ذریعہ عبادت گاہوں، رفاہی تعلیمی اداروں پر انکم ٹیکس لگانے کے لئے مسودہ قانون میں مناسب تبدیلی

۴ ـــــ یوپی میں زرعی جائداد میں عورتوں کو حق وراثت دینے کا قانون

انمیں تین اہم امور ہیں، جن پر مرکزی حکومت صحیح، مضبوط واضح اور بہتر قانون سازی کرسکتی ہے جسمیں عملاً کوئی دشواری نہیں ہے ـــــ اور زرعی زمین میں عورتوں کے حق کا معاملہ بھی بہت اہم ہے۔ یہ کام حکومت اترپردیش کے کرنیکا ہے!

مذکورہ چاروں معاملات بہت اہم، دینی اور ملی ہیں، اور ملت کے ہرایک حلقہ اور طبقہ کے مستقبل سے انکا تعلق ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کوشاں ہے کہ یہ سارے امور جلد حل ہوں، اور ایک واضح قانونی شکل سامنے آجائے۔

چاروں معاملات کی نوعیت کی وضاحت کیلئے مختصر نوٹ بھی خط کے ساتھ بھیجا جارہا ہے۔ براہ کرم پوری توجہ سے پڑھیں، اور چاروں معاملات کو سمجھ لیں، اور مسجدوں سے تمام مسلمانوں تک پیغام پہونچانے کی ایسی راہ اپنائیں جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی ذہن سازی ہو، اور عوامی تحریک کے ذریعہ چاروں امور پر مناسب قانون سازی کی راہ ہموار کیجا سکے،

ـــــ ائمہ کرام، مدارس کے ذمہ داروں، اقلیتی اسکولوں کے اساتذہ اور ذمہ داروں، تعلیمی اور سماجی کارکنوں کو پہلی فرصت میں اس طرف متوجہ کرنیکی زحمت فرمائیں، اور ائمہ کرام سے گذارش کریں۔ کہ وہ خطبہ جمعہ میں ان موضوعات کو اپنا موضوع بنائیں، اور معاملہ کی نزاکت اور آنیوالے دنوں میں پیدا ہونیوالے مشکلات سے عوام کو باخبر کریں، ـــــ کوشش فرمائیں کہ ان چاروں موضوعات پر عوام کی ذہن سازی ہو، اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے پیغام کو سمجھ لیں اور اقدام پر آمادہ ہوں۔

ـــــ علماء، ائمہ، اقلیتی اسکولوں کے ذمہ داروں، تعلیمی اور سماجی کارکنوں کو اس مہم میں ساتھ لیں۔ اور مقامی وزراء، ایم ایل اے، ایم پی، مرکزی وزراء (جو آپ کے علاقہ میں پہونچیں) کو باخبر کریں، انہیں اپنے احساسات اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے مطالبات سے واقف کرائیں۔ جو مطالبات اصل میں پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے ہیں، جن پر بڑی حد تک ملت اسلامیہ کے مستقبل کا انحصار ہے۔

ـــــ مدارس کے ذمہ دار آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے لٹریچر اور موضوع سے متعلق بھیجی جانیوالی تحریروں کو بڑی تعداد میں طبع کراکے دور دور تک پہونچانے کی کوشش فرمائیں۔

ـــــ اس سلسلہ میں پمفلٹ اور ضروری لٹریچر بورڈ کے دفتر سے خط لکھ کر حاصل کرسکتے ہیں، یا بذریعہ فون/ ای میل طلب فرماسکتے ہیں۔

پتہ اور فون نمبر:

ALL INDIA MUSLIM PERSONAL LAW BOARD
76 A/1, Main Market, Okhla Village
Jamia Nagar, New Delhi - 110025 (India)
Ph: +91-11-26322991, Telefax:
+91-11-26314784
E-mail: aimplboard@gmail.com

یقین ہے، ملت اسلامیہ پوری امانت، جرأت، اور فراست سے کام لیگی، اور مختلف طبقات، حلقوں، مختلف مشرب ومسلک کے حضرات سے باہم تعاون کر کے اس مشترکہ مصیبت میں مشترکہ جدوجہد کرتی رہیگی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مناسب اور مضبوط قانون سازی ہو جائے۔ اور ملت اسلامیہ کو کامیابی اور سرفرازی نصیب ہو۔

آپ کے تعاون کی پوری امید ہے.....

- اس کے بعد مرکزی کنوینر آئینی حقوق بچاؤ تحریک حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کا درج ذیل خط چاروں مطبوعہ سہ ورقہ کے ساتھ تمام ارکان، مدعوئین، مدارس ومکاتب اور اہم شخصیات کے نام مؤرخہ ۲۴ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو بھیجا گیا۔

مکرم ومحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!

اس سے قبل ایک تحریر بھیجی گئی تھی، اب اس کے ساتھ کچھ اور تحریریں روانہ کی جارہی ہیں، مطالعہ کے بعد اسکو مقامی طور پر طبع کرا کر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا کر بورڈ کی اس بیداری مہم میں بھرپور حصہ لیں۔

مساجد کے ائمہ کرام کو خاص طور پر متوجہ کریں کہ وہ جمعہ کے خطبہ میں اس کو اپنی تقریر کا موضوع بنائیں۔

جن لوگوں کو آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ وہ اس تحریک کے لئے معاون اور مفید ہو سکتے ہیں ان کے نام وپتے، فون، موبائل اور ای میل آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر دفتر دہلی کو خط یا فون وای میل کے ذریعہ مطلع فرمائیں۔

امید ہے کہ اس وقت بورڈ کو آپ کا اس عوامی بیداری تحریک میں سرگرم تعاون حاصل ہوگا۔

مجھے آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

- واضح رہے کہ جو سہ ورقہ مطبوعہ شکل میں بھیجا گیا تھا وہ اس شمارہ میں افادہ عام کی غرض سے شامل کیا جارہا ہے۔

وقف:

۵ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو جناب پروفیسر سیف الدین سوز صاحب چیرمین سلیکٹ کمیٹی سے بورڈ کے ایک مؤقر وفد نے سکریٹری بورڈ حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کی قیادت میں ملاقات کی۔ اس وفد میں مفتی مکرم احمد صاحب، مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب، جناب کمال فاروقی صاحب اور جناب ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس صاحب شریک تھے۔

سلیکٹ کمیٹی کی پیش کردہ رپورٹ کے بعد بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے کمیٹی کی جانب سے پیش کی جانے والی رپورٹ کا باریکی سے جائزہ لیا اور ان نقائص پر مشتمل مستقل ایک مضمون تحریر فرمایا جو الگ سے اس شمارہ میں شامل کیا جارہا ہے۔

اصلاح معاشرہ خواتین پروگرام:

۱۲ر جنوری ۲۰۱۲ء کو چنئی میں ارکان تمل ناڈو کی نگرانی وسرپرستی میں اور ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ کی کنوینر شپ اور امۃ الوحید فاخرہ عتیق صاحبہ ارکان بورڈ کی معاونت میں خواتین کا عظیم الشان پروگرام ہوا، تفصیلی رپورٹ انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں دی جائے گی۔

وفیات:

رکن بورڈ علامہ ذیشان ہدایتی صاحب کا ۲۳ر دسمبر ۲۰۱۱ء کی صبح طویل علالت کے بعد مالک حقیقی سے جاملے۔

غیر ارکان میں بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب کے چھوٹے بھائی جناب عبدالعزیز قریشی صاحب کا ۱۳ر دسمبر ۲۰۱۱ء، جامعہ سلفیہ بنارس کے صدر ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب ۲۳ر دسمبر ۲۰۱۱ء، مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمانی سابق استاذ جامعہ رحمانی مونگیر و سابق مہتمم دارالعلوم حیدرآباد اور جامعہ اسلامیہ بھٹکل کا مؤرخہ ۳۰ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو انتقال فرماگئے۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔